ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جنوری، فروری ۲۰۲۲ء

جمادی الثانی، رجب ۱۴۴۳



دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۷ شمارہ نمبر ۱۰-۱۱

ماہ جمادی الثانی ورجب ۱۴۴۳ھ مطابق جنوری وفروری ۲۰۲۲ء

زرتعاون

فی شمارہ ———— ۱۵/روپے

سالانہ زرتعاون ———— ۱۵۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ———— ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

پہلی بات

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مارچ ۲۰۲۰ء میں عالمی وبا ''کرونا وائرس'' کی قہر سامانیوں سے تھوڑی سی راحت کے بعد ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور کی جلد نمبر ۲۶ رکا شمارہ نمبر ۲، ۳ (جون، جولائی ۲۰۲۰ء/شوال، ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ) شائع کیا گیا کہ اچانک ۲۸ رذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰ رجولائی ۲۰۲۰ء روز دوشنبہ پانچ بجے شام کو ادارہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب کا سانحۂ ارتحال پیش آ گیا، اور اس کی وجہ سے رسالہ کی اشاعت ایک مرتبہ پھر موقوف ہوگئی اس لئے کہ سرکاری اور قانونی طور سے رسالہ کے پرنٹر و پبلیشر من جانب مدرسہ مولانا محمد سلمان صاحبؒ تھے، مظاہر علوم کی مجلس شوریٰ سرپرستان نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۱ راکتوبر ۲۰۲۰ء مطابق ۲۳ رصفر ۱۴۴۲ھ میں مولانا محمد سلمانؒ کی جگہ حضرت مولانا سید محمد عاقل شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم کو باقاعدہ ناظم مقرر کیا اور انھیں کو ماہنامہ مظاہر علوم کا پرنٹر و پبلیشر بھی منتخب کیا، ماہنامہ مظاہر علوم کے رجسٹریشن سرٹیفکٹ میں اس نام کی تبدیلی اور ضلعی اعلیٰ حکام سے اس کی تصدیق اور پھر مرکزی سرکاری دفتر این آئی آر سے اس کی منظوری کے مراحل میں کچھ رکاوٹیں پیش آتی رہیں اور ماہنامہ کی اشاعت مؤخر ہوتی چلی گئی۔

اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے یہ دشوار گذار مرحلہ بڑی حد تک طے کیا جا چکا ہے اور اس وقت جنوری، فروری ۲۰۲۲ء کی مشترکہ اشاعت آپ حضرات کے ہم دست ہے، امید ہے کہ اب ماہنامہ کی مستقل اشاعت اپنی سابقہ آن بان شان کے ساتھ جاری رہے گی۔ ان شاء اللہ

اِن مجبوریوں کی وجہ سے ماہنامہ کی اشاعت تقریباً ۱۷ رماہ موقوف رہی، اس دوران بہت سارے محبین مظاہر علوم اور رسالہ کے ممبران کی طرف سے مسلسل تقاضا رہا، چنانچہ من جانب مدرسہ انھیں مطمئن کیا جاتا رہا، اب اس وقت سب سے بڑا مسئلہ ان موقوف اشاعتوں کی بھرپائی کا ہے تاکہ ماہنامہ کے ممبران کو کوئی شکایت بھی نہ رہے اور ماہنامہ کی اشاعت کا جو چھبیس سالہ تسلسل ہے وہ بھی باقی رہ جائے اور ریکارڈ مکمل رہے، اس کے لئے ماہنامہ مظاہر علوم کے نگراں اور مظاہر علوم کے امین عام حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی نے ماہنامہ کے ارباب مجلس ادارت کے ساتھ مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ گذشتہ اشاعتوں کے تدارک کے لئے ایک ضخیم اشاعت ''وفیات نمبر'' کے نام سے منظرِ عام پر لائی جائے جو تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہو، اس کی تیاری شروع ہو چکی ہے اور ان شاء اللہ ماہِ شوال ۱۴۴۳ھ میں یہ ضخیم نمبر آپ کے سامنے ہوگا۔ بتوفیق اللہ وعونہ۔

نوائے سحر

خدا اس مسافر کی ہمت بڑھائے

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

کرونا وائرس کا ایسا ہوّا ذہن ودماغ پر سوار کیا گیا ہے کہ اس کی حقیقت تک پہونچنے میں بڑے متضاد نظریات سامنے آرہے ہیں، یہ کرونا وائرس ہے کیا بلا؟ یہ کوئی آسمانی افتاد ہے یا انسانی پیداوار؟ لوگ اس سے کس طرح متأثر ہوتے ہیں؟ اس وائرس اور بیماری کے متأثرین مرتے ہیں یا مار دیئے جاتے ہیں؟ عام انسان ہی اس سے کیوں متأثر ہوتا ہے؟ اہم اور سربرآوردہ سیاسی شخصیات اس سے کیوں متأثر نہیں ہوتیں؟ اگر ہوتی بھی ہیں تو جلد ہی کیسے صحت یاب ہوجاتی ہیں؟ ماضی کی مہلک بیماریاں جیسے خسرہ، طاعون، ایڈز وغیرہ کے متأثرین سے بھی اتنی احتیاط نہیں برتی جاتی تھی جتنی اس وائرس کے متأثرین سے گِھن اور احتیاط کی جاتی ہے، ایک اہم سوال اہلِ بصیرت حضرات کے سامنے یہ کھڑا ہے کہ یہ بیماری آخر اس قدر چالاک کیسے ہوگئی کہ صرف اس کا رخ مذہبی مقامات اور عبادت گاہوں کی طرف ہی کیوں ہوتا ہے، شراب خانوں، بازاروں اور سڑکوں کی بھیڑ بھاڑ میں یہ کیوں نہیں گھُستا؟ ہمارے اہلِ کارِرواں کو قبل از وقت اس کے آنے اور جا کا وقت کیسے معلوم ہوجاتا ہے، یہ وبا بعض علاقوں میں دن میں اور بعض میں کو ہی اپنا زور کیوں دکھاتی ہے، وغیرہ وغیرہ؟؟

یہ وہ حقیقی اور بنیادی سوالات ہیں جن کے جواب میں مختلف اور متضاد بیانات روزانہ میڈیا پر آتے رہتے ہیں اور ع اک معمہ ہے، سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

جیسی صورت حال ہنوز بنی ہوئی ہے، اللہ تعالی اپنے بندوں پر اپنا خصوصی فضل فرمائے۔ آمین

ملک کی اس ابتر صورت حال کی زد میں سب سے زیادہ مدارس اسلامیہ آئے ،مختلف عنوان سے ان پر روزانہ شکنجہ کسنے کی تیاری ہے ،جس کے بہت سارے واقعات ملک میں روزانہ سننے اور دیکھنے میں آرہے ہیں۔

زمین کے جس خطہ اور حصہ پر اللہ کی کتاب کی تعلیم اور اس کا ذکر ہوتا ہے اس کے بارے میں دنیا کے سب سے سچے اور بزرگ انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی موجود ہے کہ **ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ، یتلون کتاب اللہ و یتدارسونہ بینھم إلا نزلت علیھم السکینۃ و غشیتھم الرحمۃ و حفتھم الملائکۃ و ذکرھم اللہ فیمن عندہٗ۔**'' (صحیح مسلم ۲/۳۴۵) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جب لوگوں کی ایک جماعت اللہ کے کسی گھر میں اکٹھی ہوجائے اور اس میں وہ اللہ کی کتاب کو پڑھیں اور ایک دوسرے کو سمجھائیں، اس مجلس پر اللہ کا پہلا اور نقد انعام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر سکینہ نازل فرماتے ہیں، یعنی اگر دلوں میں پریشانی اور اضطراب ہے، دلوں کی دنیا میں پراگندگی ہے، تو ایسی مجالس میں شریک ہونے والے لوگوں کی ان پریشانیوں، اضطرابات، پراگندگیوں کو اللہ تعالیٰ سکینہ، طمانیت اور اطمینان میں تبدیل فرمادیتے ہیں۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ سکینہ: دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو انوار کے نزول کے وقت طاری ہوتی ہے۔ ایسی مجلس پر اللہ کا دوسرا نقد انعام یہ ہوتا ہے کہ اس کی رحمت اس مجلس کو ڈھانپ لیتی ہے، اور تیسرا نقد انعام یہ ہے کہ ملائکہ اس مجلس کو گھیر لیتے ہیں اور اس کے شرکاء پر رشک کرتے ہیں، اور چوتھا انعام یہ ہے کہ جب انسانوں کی یہ جماعت روئے زمین پر اللہ کو یاد کرتی ہے تو اللہ اپنے ہم نشینوں میں ان لوگوں کو یاد کررہے ہوتے ہیں۔

کتنا عظیم شرف ہے کہ کوئی مسلمان اللہ کے ساتھ اس قدر ربط قائم کرلے کہ روئے زمین پر وہ خدا کو یاد کرے تو اللہ تعالیٰ اپنی محفل میں اُسے یاد کرے!

کشمکش کا یہ دور چلتا رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان مدارس کی بنیاد اخلاص کے ساتھ قرآن وحدیث کی خدمت کے جذبے سے ڈالی گئی ہے اور جس کی بنیاد اخلاص سے ڈالی جائے، اس کی برکات اور کرنے والوں کے نیک عمل سے دنیا کی مشکلات اور پریشانیاں یقیناً دور ہونگیں۔

عالمی پیمانہ پر پھیلی ہوئی اِس بیماری کو آج تقریباً دو سال ہونے کو ہیں، اِس دوران مدارس اسلامیہ کن کن حالات سے دوچار ہوتے رہے، کبھی ایک دم سے تعلیم کو موقوف کردیا گیا، کبھی اساتذہ وطلبہ کو غیر معمولی طور سے پریشان کیا گیا، کبھی ان پر مختلف احکامات کی پابندی کو ضروری قرار دیا گیا، ان نازک حالات سے مظاہر علوم بھی دوچار ہوا اور اس کی انتظامیہ نے بڑی حوصلہ مندی اور بڑی دوربینی سے کام لیا۔

اربابِ مظاہر علوم کے لئے ان حالات میں کچھ ایسے قومی وملی درد رکھنے والے اصحابِ خیر کا تعاون ملا کہ اِن حالات میں نبرد آزمائی آسان ہوتی گئی، خاص طور سے شہر سہارنپور کی سماجی و سیاسی شخصیت جناب الحاج فضل الرحمن صاحب (ایم پی) ان کے بھانجے جناب محمد اوصاف گڈو، جناب مولانا محمد ساجد کاشفی، مولانا فرید مظاہری، یہ وہ حضرات ہیں جو ہر ہر موقع پر مظاہر علوم سہارنپور کے لئے دست وبازو بنے رہے اور اپنی خدمات سے اربابِ مدرسہ کے لئے راہیں استوار کرتے رہے، ایسے ہی محلہ کے پارشد جناب بھائی سعید احمد صدیقی جو ہر وقت مدرسہ کی خدمت کے لئے مستعد رہے اور موجودہ حالات میں مدرسہ کی انتظامیہ کے ساتھ ان کا برابر تعاون رہا، اللہ تعالی اِن سب حضرات اور اُن تمام حضرات کو جزائے خیر سے نوازے جو ایسے نازک موقع پر مدارس ومکاتب اسلامیہ کی خیر خواہی میں ہر ممکن طور پر کوشاں رہتے ہیں۔

خدا اُس مسافر کی ہمت بڑھائے
جو منزل کو ٹھکرادے منزل سمجھ کر

درسِ قرآن

صدقہ میں کیا کیا چیزیں دیں

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

یَسْاَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَاتَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ (البقرہ:۲۱۵)

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرمادیجئے کہ جو مال بھی تم کو خرچ کرنا ہوتو ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، غریبوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔ اور جو بھی نیک کام کروگے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی بھی خبر ہے۔

شان نزول: صحابی رسول حضرت عمرو بن الجموحؓ نے سوال کیا تھا کہ ثواب کے لئے ہم سونا چاندی، کیا چیز خرچ کریں؟ بتایا گیا کہ کیا خرچ کریں؟ اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ مصرف اور مستحق کے بارے میں سوال کیا جائے اور بعض مفسرین کے بقول آیت میں اسی کا جواب دیا گیا ہے اور اس طرح کے جواب کو جواب علی اسلوب الحکیم کہا جاتا ہے **(أنه سأل عن المنفق فاجیب ببیان المصرف لانه اهم فان اعتداد النفقة باعتباره** (المدارک)

تشریح وتوضیح: لوگ صدقہ وخیرات کرنے کے سلسلہ میں اس کے طالب ومتلاشی رہتے ہیں کہ کیا خرچ کریں اور کیا خرچ نہ کریں، اور اپنے اپنے اعتبار سے ہر ایک خرچ کرتا بھی رہتا ہے مگر قرآن نے بتایا کہ کیا کیا خرچ کرنا ہے اس سے زیادہ اہم، کس کس پر خرچ کرنے کی جستجو ہے کیونکہ اگر خرچ تو کردیا سونا چاندی مگر دے دیا غیر مستحق کو تو صدقہ خیرات ہی باطل ہے، اس کا ثواب نہیں ملے گا، چنانچہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا قصہ ہے اس نے اپنے دل میں کہا کہ آج رات چپکے سے صدقہ کروں گا۔ چنانچہ رات کو چپکے سے ایک آدمی کے ہاتھ میں مال دے کر چلا آیا، صبح کو لوگوں میں آپس میں چرچا ہوا کہ رات کوئی شخص ایک چور کو صدقہ دے گیا، اس صدقہ کرنے والے نے کہا: یا اللہ! چور پر صدقہ کرنے میں بھی تیرے ہی لئے تعریف ہے (کہ اس سے بھی زیادہ بدحال کو دیا جاتا تو ہی میں کیا

کرسکتا تھا) پھر اس نے دوبارہ ٹھانی کہ آج رات پھر صدقہ کروں گا(کہ پہلا تو ضائع ہوگیا) چنانچہ رات کو صدقہ کا مال لے کر نکلا اور ایک عورت کو دیدیا(یہ خیال کیا ہوگا کہ یہ چوری تو کیا کرے گی)، صبح کو چرچا ہوا کہ رات کو کوئی شخص فلاں بدکار عورت کو صدقہ دے گیا، اس نے کہا: یااللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے، زنا کرنے والی عورت کو صدقہ دینے پر بھی(کہ میرا مال تو اس سے بھی کم درجے کے قابل تھا) پھر تیسری مرتبہ ارادہ کیا کہ آج رات پھر صدقہ کروں گا، چنانچہ رات کو صدقہ لے کر گیا اور ایسے شخص کو دے دیا جو مال دار تھا، صبح کو چرچا ہوا کہ رات ایک مال دار کو صدقہ دیا گیا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ سَارِقٍ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ عَلَى سَارِقٍ فَقَالَ اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ۔ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدَيْ زَانِيَةٍ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلَى زَانِيَةٍ فَقَالَ اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى زَانِيَةٍ۔ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدَيْ غَنِيٍّ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ عَلَى غَنِيٍّ فَقَالَ اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى سَارِقٍ وَعَلَى زَانِيَةٍ وَعَلَى غَنِيٍّ فَأُتِيَ فَقِيلَ لَهُ أَمَّا صَدَقَتُكَ عَلَى سَارِقٍ فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهِ وَأَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا أَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا وَأَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهُ يَعْتَبِرُ فَيُنْفِقُ مِمَّا أَعْطَاهُ اللّٰہُ

(رواہ البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۱)

اس کا یہ صدقہ بعض دیگر وجوہ سے اگر چہ قبول ہوگیا تھا مگر اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مصرف تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔

اور قرآنی ہدایت کے مطابق نفلی صدقہ وخیرات کے سب سے زیادہ مستحق والدین ہیں پھر رشتہ دار، پھر وہ غریب بچے جن کے سر سے والد کا سایہ اٹھ گیا ہے، پھر دیگر غریب لوگ، بعدہٗ مسافرین، اس ترتیب کا لحاظ رکھا جائے تو زیادہ ثواب ملے گا۔

پیغام: مصرف کا بیان کرکے قرآن نے یہ اشارہ دیا کہ اصل مستحق کی احتیاج وضرورت کا خیال کرنا ہے یعنی ضرورت مند کو جس چیز کی ضرورت واحتیاج ہے وہی چیز بطور صدقہ اس کو دے کر اس کی ضرورت پوری کرنی چاہئے، مثلاً سردی کا موسم ہے اور غریب کو کمبل، لحاف، سویٹر، مفلر کی ضرورت ہے

تو اس کو یہ چیزیں دینی چاہئے۔ اگر گرمی کا موسم ہے اور اس کو پانی دستیاب نہیں تو ہینڈ پمپ یا ٹنکی لگوا کر اس کی پانی کی ضرورت پوری کرنی چاہئے۔ اگر کسی غریب کے یہاں کھانے کیلئے راشن نہیں ہے تو اس کے لئے دال، روٹی، چاول کا انتظام کرنا چاہئے۔

مگر صورت حال یہ ہے کہ لوگوں نے قرآن کے بتائے ہوئے مصرف و مستحق اشخاص و افراد کے بجائے اپنے اپنے عقیدے و گمان کے اعتبار سے مصرف و مستحق قرار دے رکھے ہیں۔ چنانچہ بعض اہل علاقہ نے چڑیوں، پرندوں کو مستحق سمجھ رکھا ہے اور وہ آٹا، چاول، کالی دال مکان کی چھت پر ڈال دیتے ہیں، بعض لوگوں نے چیل، کووں کو مستحق سمجھا تو وہ قیمہ و گوشت خرید کر مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر، چیلوں و کووں کو قیمہ کھلاتے رہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کتوں کو مستحق سمجھا اور وہ ہر صبح کتوں کو نمکین، بسکٹ کھلاتے ہیں اور اسے کار ثواب سمجھتے ہیں، یہ بھی اگر چہ کارِ ثواب ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں پیاسے کتے کو پانی پلانے پر ایک شخص کی مغفرت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے:

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص جا رہا تھا اس کو راستہ میں شدید پیاس لگی چنانچہ اس نے ایک کنواں دیکھا تو وہ اس کے اندر اتر گیا اور پانی پی لیا۔ جب وہ باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس آدمی نے اپنے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی اسی طرح پیاس لگی ہوگی جیسے مجھے لگی تھی۔ چنانچہ وہ کنویں میں اترا، (اس کے پاس ڈول نہیں تھا، اس لئے) اپنے موزے میں پانی بھرا اور اس کے منہ میں ڈال دیا۔ کتے نے پانی پی لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے اس عمل کو قبول فرمایا اور اس کی مغفرت فرمادی۔ لوگ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے ساتھ احسان کرنے پر بھی ہمیں ثواب ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر جاندار کے ساتھ نیکی کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَ بِي۔ فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللهُ فَغَفَرَ لَهُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنَّ لَنَا فِي

الْبَهَائِمِ أَجْرًا، فَقَالَ: نَعَمْ فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ. (رواه البخاري رقم الحديث ۵۶۶۳)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جانوروں کو کھلانا پلانا بھی نیکی ہے اور اس پر ثواب بھی ملتا ہے، مگر یہ جانور: کوے و کتے، راستوں، سڑکوں پر گری پڑی مردہ وحرام چیزیں کھا کر بھی اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں جب کہ ان صدقہ کرنے والوں کے انسانی بھائی برادر، رشتہ دار، قریبی، پڑوسی، بھوکے رہ جاتے ہیں، تو صدقہ دینے میں انسانوں کو مقدم رکھنا چاہئے۔

نیز صدقہ دئے جانے والی چیزیں بھی انہوں نے اپنے اپنے گمان کے لحاظ سے طے کر رکھی ہیں، کوئی کالی دال لئے پھر رہا ہے کہ صدقہ کی ہے، کوئی سیاہ مرغہ، تو کوئی پندرہ بیس ہزار کا کالا بکرا صدقہ کر رہا ہے، غریب فقیر کے گھر راشن نہیں، آٹا تیل نہیں، ایسے غریب وفقیر کو پندرہ بیس ہزار کا کالا بکرا دیا جارہا ہے، جسے ایک دن کھا کر کل وہ پھر بھوکا رہے گا۔غریب کی ضرورت واحتیاج کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اس پندرہ بیس ہزار کے بکرے کے بجائے غریب کے گھر پندرہ بیس ہزار کا راشن، آٹا، دال، چاول بھجوادیا جاتا، تاکہ وہ اور اس کے بھوکے بچے ایک ماہ تک کھا کر آپ کیلئے دعا کرتے۔

مگر افسوس صد افسوس کہ ہم نے پیسہ بھی خرچ کیا، صدقہ بھی دیا اور غریب کی ضرورت بھی پوری نہ ہوئی۔خلاصہ یہ ہے کہ مستحق کا بھی لحاظ کریں اور مستحق کی ضرورت کا بھی۔

ہمیشہ سچ ہی بولو

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑلو، اور ہمیشہ سچ ہی بولو، کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچادیتی ہے اور آدمی جب ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کرلیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ کے یہاں صدیقین میں لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستہ پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچادیتی ہے اور آدمی جب جھوٹ بولنے کا عادی ہوجاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کرلیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذابین میں لکھ لیا جاتا ہے۔(ترمذی ۲/۱۸)

انوارِ حدیث

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے

مولانا محمد خالد سعید اعظمی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

عن صُهَيب قال: قال رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: مَنْ كان يُؤمِنُ باللهِ وَالیَومِ الآخِرِ فَلْيُحِبَّ صهيباً حبَّ الوالدةِ لِوَلَدِهَا (مسند بزار ۶/۳۳)

حضرت صہیبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ صہیب سے ایسی محبت کرے جیسا کے ماں اپنے بیٹے سے محبت کرتی ہے۔

حضرت صہیبؓ نے اسلام کی خاطر بڑی قربانیاں دی ہیں اور اسلام کے لئے ان کی عظیم خدمات ہیں جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کو ان سے ماں جیسی محبت کرنے کا حکم دیا ہے۔

نام ونسب اور بچپن

صہیب بن سنان بن مالک رومی، بچپن میں رومیوں نے آپ کو قید کرلیا تھا اور آپ کو روم لے کر چلے گئے تھے، ایک زمانہ تک آپ وہیں رہے اس لئے رومی کہے جاتے ہیں، اصلاً آپ عربی النسل ہیں، آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ النمر بن قاسط سے ہے جو ربیعہ بن نزار کی ایک شاخ ہے اس لئے آپ الربعی النمری بھی کہے جاتے ہیں، وزیر ابوالقاسم مغربی نے نقل کیا ہے کہ آپ کا نام عمیرہ تھا، رومیوں نے صہیب نام رکھ دیا تھا، اور عمارہ بن وثیمہ کہتے ہیں کہ آپ کا نام عبدالملک تھا۔

آپ کی کنیت ابویحیی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا ہوئی تھی، آپ کی والدہ کا نام سلمی بنت قَعِید ہے جو بنو مالک بن عمرو بن تمیم سے تھیں۔

آپ کے والد یا چچا کسریٰ کی جانب سے ''اُبُلّہ'' کے گورنر تھے اور ان کے مکانات موصل کے قریب دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھے، ایک قول یہ ہے کہ جزیرہ اور موصل سے متصل دریائے فرات کے کنارے ایک بستی میں یہ لوگ مقیم تھے، رومیوں نے ان پر حملہ کیا اور صہیب کو جو بچے تھے نینویٰ سے قید کرکے لے گئے اور وہ روم ہی میں پروان چڑھے اس لئے ان کی عربی زبان متاثر ہوگئی، پھر رومیوں سے آپ کو قبیلۂ کلب کے ایک شخص نے خرید کر مکہ مکرمہ لاکر عبداللہ بن جدعان تیمی کے

ہاتھ فروخت کردیا اور پھر انھوں نے آپ کو آزاد کردیا، لیکن آزادی کے بعد بھی آپ عبداللہ بن جدعان کی وفات تک انھیں کے ساتھ رہے۔

حضرت صہیب کی اولاد و دیگر گھر والوں اور مؤرخین میں سے مصعب الزبیری کا کہنا ہے کہ جب آپ بڑے اور سمجھدار ہوگئے تو روم سے بھاگ کر مکہ آگئے تھے اور ابن جدعان کے حلیف بن کر ان کی وفات تک انھیں کے ساتھ رہے۔

قبولِ اسلام

حضرت صہیب رومیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آنے سے پہلے ہی آپ کی صحبت اختیار کرلی تھی اور پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے بعد لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں ایک نام صہیب رومیؓ کا بھی تھا، آپ نے اس وقت اسلام قبول کرلیا تھا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دارِارقم میں روپوش تھے اور تیس سے کچھ زائد افراد ہی ابھی مسلمان ہوئے تھے، حضرت صہیب اور عمار ایک ہی دن مسلمان ہوئے، چنانچہ حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ دار ارقم کے دروازہ پر میری صہیب بن سنان سے ملاقات ہوئی جب کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اندر تھے، میں نے دریافت کیا کہ کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا کہ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ میں نے بتایا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر ان کی بات سننا چاہتا ہوں، اس پر انھوں نے کہا کہ میرا بھی یہی ارادہ ہے، پھر ہم دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، آپ نے ہمارے سامنے اسلام پیش کیا اور ہم نے اسلام قبول کرلیا، پھر اس دن شام تک وہیں رہے اس کے بعد وہاں سے لوگوں کی نگاہوں سے بچتے ہوئے نکلے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اسلام کا اظہار کرنے والے لوگ سات ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، بلال، صہیب، خباب، عمار بن یاسر اور ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اللہ تعالی نے حفاظت فرمائی، ابوبکر کو ان کی قوم نے کافروں کی اذیت سے بچایا، باقی لوگوں کو کفار پکڑ کر لوہے کی زرہیں (قمیص) پہنا کر مکہ کی تیز چلچلاتی دھوپ میں جھلسنے اور پگھلنے کے لئے چھوڑ دیتے۔ عمر بن الحکم فرماتے ہیں کہ حضرت عمار اور حضرت صہیب اور دوسرے مسلمانوں کو اس قدر ستایا اور عذاب دیا جاتا کہ انھیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ زبان سے کیا کہہ رہے ہیں۔

ہجرت

حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے لئے نکلے تو میرا بھی ارادہ آپ ہی کے ساتھ نکلنے کا تھا مگر قریش کے کچھ نوجوانوں نے مجھے روک دیا، پھر ان سے بچ کر کسی طرح مکہ سے نکلا ابھی کچھ دور ہی پہونچا تھا کہ قریش کے کچھ لوگ پیچھا کرتے ہوئے پہونچ گئے، آپ سواری سے اترے اور اپنے ترکش کے سب تیر نکال لئے پھر بولے اے قریش کے لوگو! تم خوب جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ تیر انداز ہوں اور اللہ کی قسم تم لوگ مجھ تک اس وقت تک نہیں پہونچ سکتے جب تک میں تمھیں اپنے ترکش کے ایک ایک تیر نہ ماروں اور پھر میں اپنی تلوار سے جب تک وہ میرے ہاتھ میں رہے گی تم سے لڑتا رہوں گا، اب تمہارا جو جی چاہے کرو، اگر تم چاہو تو میں تمھیں اپنے مال کا پتہ بتادوں اور تم لوگ میرا راستہ چھوڑ دو، ان لوگوں نے کہا ٹھیک ہے! چنانچہ آپ نے انھیں اپنے سب مال کا پتہ بتادیا اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہونچے، نبی صلی اللہ علیہ ابھی قبا ہی میں تھے، ربیع الاول کا ابھی نصف مہینہ ہی گزرا تھا، آپ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو دیکھتے ہی اللہ کے نبی نے فرمایا: ابو یحیی! تجارت نفع بخش رہی، نفع کا سودا رہا، اور پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاةِ اللهِ وَاللهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ'' اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا کی طلب میں اپنی جان کو خرید لیتے ہیں، اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے

فضائل ومناقب

آپ بڑے مناقب وفضائل والے صحابی ہیں، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبقت کرنے والے چار ہیں: میں عربوں میں سبقت کرنے والا ہوں، صہیب رومیوں میں، سلمان فارس والوں میں، اور بلال حبشہ والوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ (المعجم الکبیر ۲۹/۸)

حضرت صہیبؓ بڑے سخی، بہادر اور شجاع تھے، بدر، احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی غزوہ میں گئے میں بھی اس میں آپ کے ساتھ رہا، آپ نے جب کبھی کوئی بیعت لی، میں بھی اس میں حاضر رہا، آپ نے

جب کبھی کوئی سریہ بھیجا، میں وہاں موجود رہا (کہ آپ مجھے بھیجنا چاہیں تو بھیج دیں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی زمانہ میں اور آخری زمانے میں جب کوئی جنگ اور غزوہ کیا، میں اس کے اندر آپ کے دائیں یا بائیں موجود رہا، اور لوگوں کو جب کبھی اپنے آگے سے (دشمن کا) خوف محسوس ہوا تو میں لوگوں کے آگے رہا، اور جب کبھی انھیں اپنے پیچھے سے خوف محسوس ہوا تو میں ان کے پیچھے موجود رہا، میں نے کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور دشمن کے بیچ میں نہیں کیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا (رواه الطبراني في الكبير بإسناد ضعيف ۸/ ۳۷)

حضرت صہیب ؓ اپنے فضل و کمال اور علو مرتبت کے ساتھ بڑے خوش اخلاق اور ظریف الطبع بھی تھے، چنانچہ ہجرت کے سفر میں مدینہ منورہ آرہے تھے، راستہ میں آشوب چشم میں مبتلا ہو گئے، راستہ کا توشہ بھی بہت تھوڑا تھا، جس کی وجہ سے سخت بھوک لگی ہوئی تھی، حضرت صہیب ؓ خود فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی قبا ہی میں تھے کہ میں آپ کے پاس پہونچا، آپ کے سامنے کھجوریں رکھی ہوئی تھیں اور مجھے آنکھ کی تکلیف تھی، میں وہ کھجوریں کھانے لگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ارے! آنکھ میں تکلیف ہے پھر بھی کھجوریں کھا رہے ہو؟ میں نے کہا: اپنی صحیح آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں'' یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے۔ (اسد الغابۃ)

حضرت عمر ؓ نے حضرت صہیب سے کہا کہ آپ ایک باکمال شخص ہیں اگر تین باتیں آپ کے اندر نہ ہوتیں! انھوں نے پوچھا کہ وہ تین باتیں کیا ہیں؟ حضرت عمر ؓ نے کہا (۱) آپ نے کنیت رکھ رکھی ہے جب کہ آپ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ (۲) آپ اپنے آپ کو عرب کی طرف منسوب کرتے ہیں جب کہ آپ روم سے ہیں۔ (۳) آپ کھانے میں اسراف کرتے ہیں (کھانا بہت کھلاتے ہیں جو مال میں اسراف ہے)

حضرت صہیب ؓ نے ان تینوں باتوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: میری کنیت ابو یحییٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے، میرا تعلق نمر بن قاسط سے ہے، مجھے رومیوں نے موصل سے قید کر لیا تھا جب کہ میں نو عمر لڑکا تھا، اپنے نسب کو اچھی طرح جانتا تھا، اور رہی آپ کی کھانے میں اسراف کی بات، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو کھانا کھلائے (سیر أعلام النبلاء)

حضرت اسلمؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر ؓ کے ساتھ نکلا، یہاں تک کہ آپ عوالی میں حضرت

صہیبؓ کے ایک باغ میں گئے، آپ کو حضرت صہیب نے جیسے ہی دیکھا ''یا ناس، یا ناس'' پکارنے لگے (ناس کے معنی لوگ کے ہیں)، حضرت عمر نے کہا کہ ارے انھیں کیا ہو گیا کہ لوگوں کو بلا رہے ہیں، اسلمؒ نے کہا کہ یہ اپنے غلام کو بلا رہے ہیں جس کا نام ''یُحَنَّس'' ہے، اس کے بعد پھر حضرت عمرؓ کہنے لگے، صہیب! میں تمہاری کسی چیز کو عیب نہیں لگاتا سوائے تین باتوں کے، اگر وہ تین باتیں نہ ہوتیں تو میں تم پر کسی کو مقدم نہ کرتا، تو تم مجھے ان کے بارے میں بتلاؤ گے؟ حضرت صہیب نے کہا کہ آپ جس چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھیں گے میں اس کے بارے میں سچ سچ بتاؤں گا۔

حضرت عمر نے کہا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو عربی کہتے ہو جب کہ تمہاری زبان عجمی (غیر عربی) ہے، اور تم ایک نبی کے نام پر اپنی کنیت ابو یحیی رکھتے ہو، اور تم اپنا مال بے جا خرچ کرتے ہو، حضرت صہیبؓ نے جواب دیا کہ جہاں تک میرے اپنے مال کو بے جا خرچ کرنے کی بات ہے تو میں اسے ناحق خرچ نہیں کرتا، اور میرے ابو یحیی کنیت رکھنے کی جو بات ہے تو مجھے رسول اللہ علیہ وسلم نے یہ کنیت عطا فرمائی ہے تو کیا میں آپ کی وجہ سے اس کو چھوڑ دوں؟ اور عرب کی طرف نسبت کی جو بات ہے تو رومیوں نے مجھے بچپن میں قید کرلیا تھا تو میں نے ان کی زبان سیکھ لی جب کہ میں النمر بن قاسط کا ایک فرد ہوں، اگر میں (گدھے کی) لید سے ہوتا تو اسی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا (الاستیعاب)

حضرت عمرؓ حضرت صہیبؓ سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ کے بارے میں بہت حسنِ ظن رکھتے تھے، یہاں تک کہ جب حضرت عمرؓ پر حملہ ہوا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ حضرت صہیبؓ تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور تیسرے دن اہلِ شوریٰ کسی کی خلافت پر اتفاق کرلیں۔

اور حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ بھی حضرت صہیبؓ نے ہی پڑھائی۔

حلیہ: حضرت صہیب بالکل سفید فام تھے اور قد نہ زیادہ لمبا تھا نہ پست، بلکہ پستی کی طرف مائل درمیانہ قد، سر کے بال بہت گھنے تھے اور آپ مہندی کا خضاب کیا کرتے تھے۔

وفات: آپ کی وفات شوال ۳۸ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ہوئی، آپ کی عمر حسب اختلاف اقوال ۷۰ سال، یا ۷۳ سال، یا ۹۰ سال تھی، آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (طبقات ابن سعد ۳/۲۲۶-۲۳۰، الاستیعاب ۲/۲۸۲-۲۸۷، الإصابة ۲/۱۹۵، اسد الغابة ۳/۳۸-۴۱، سیر أعلام النبلاء ۲/۱۷-۲۶)

عصرِ حاضر

انٹرنیٹ کے نقصانات

اور اُن سے بچنے کا طریقہ

مفتی عبدالرؤف غزنوی

اس میں کوئی شک نہیں کہ انٹرنیٹ مختلف معلومات کے لیے ایک ایسا اہم ذریعہ بن چکا ہے، جس کے ذریعہ انسان مختصر وقت کے اندر معمولی لاگت سے بے شمار دینی، علمی، اقتصادی اور سیاسی معلومات تک رسائی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حالاتِ حاضرہ سے بھی واقفیت حاصل کرسکتا ہے۔ اسی طرح اس کے توسط سے دینی اور عصری اداروں میں دفتری کاموں کے اندر سہولت اور آپس میں معلومات کے تبادلے سے متعلق بھی کافی آسانیاں پیدا ہوچکی ہیں، لہٰذا اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مختلف میدانوں کے اندر انسان کے لیے بے شمار سہولتیں فراہم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر میں بے شمار لوگ جن میں چھوٹے بڑے، مرد وعورت، مال دار وغریب، پرہیزگار اور آزاد خیال ہر قسم کے لوگ شامل ہیں، کسی نہ کسی حد تک اس سے منسلک اور اس کے ثنا خواں نظر آتے ہیں، اور اپنی مجالس میں اس کی خوبیاں گننے اور بیان کرنے سے نہیں تھکتے۔

البتہ ایک افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ انٹرنیٹ کی ستائش کرنے والے اور اس پر فریفتہ ہونے والے اکثر حضرات اس کے نقصانات اور اُس کے منفی گوشوں پر سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کرتے، جس کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ مختلف دینی، جسمانی اور نفسیاتی مشکلات کے شکار ہوجاتے ہیں۔

ایک طرف تو اس کے بعض فوائد میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور دوسری طرف حالاتِ حاضرہ کے اندر موجودہ معاشرے کے افراد بظاہر اس بات کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں گے کہ اس کے استعمال کو مکمل طور پر ترک کریں، لہٰذا ان کو کلی طور پر منع کرنا لاحاصل ہوگا۔

انٹرنیٹ استعمال کرنے کی ترغیب اور میرا موقف

چند سال قبل جب انٹرنیٹ کا استعمال خواص وعوام میں پھیلنے لگا اور اس سے منسلک آلات جیسے سمارٹ

فون، لیپ ٹاپ وغیرہ لوگوں میں مشہور ہونے لگے، اور اس کا استعمال صرف دنیوی ضروریات اور عصری علوم تک محدود نہیں رہا، بلکہ علومِ دینیہ جیسے تفسیر وحدیث، فقہ واُصولِ فقہ، ادب وعقائد وغیرہ میں بھی لوگ اس سے استفادہ کرنے لگے، تو میرے چند احباب نے جو دینی علوم ومدارسِ اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے تھے، مجھ سے بار بار اصرار کے ساتھ کہا کہ تمہیں احادیثِ نبویہ کے ایک خادم اور دینی علوم کے ایک مدرس اور علمی تحقیقات سے دل چسپی رکھنے والے ایک فرد کی حیثیت سے اس آلہ سے استفادہ کرنا چاہیے، اس لیے کہ اس کے ذریعے مختصر وقت میں تمہیں احادیثِ نبویہ کے مراجع تک پہنچنے، اسانیدِ حدیث کی صحت وضعف معلوم کرنے اور دیگر علمی تحقیقات تک رسائی حاصل کرنے میں کافی مدد ملے گی اور ساتھ ساتھ یہ اصرار بھی کرتے رہے کہ تم انٹرنیٹ سے منسلک سمارٹ فون کا سیٹ اپنے استعمال میں رکھو، تاکہ جس وقت بھی اور جہاں بھی تمہیں کوئی علمی ضرورت پیش آئے گی، تم اس سے استفادہ کرسکو گے۔

ان حضرات کی باتیں سن کر میں ہمیشہ یہ جواب دیتا رہا کہ آپ جیسے تجربہ کار حضرات کی اس وضاحت کے بعد میرے لیے انٹرنیٹ کے بعض فوائد سے انکار کرنے کی تو کوئی گنجائش باقی نہیں رہی! تاہم مجھے ایک خوف ضرور لاحق ہے کہ انٹرنیٹ کے مفید ومضر گہرے سمندر میں اگر میں داخل ہوا تو کہیں اس کی خطرناک لہروں اور بے رحم مگرمچھوں کا شکار نہ ہو جاؤں، اور میں چونکہ تیراکی اور مگرمچھوں کے مقابلہ کرنے میں مہارت کا دعویدار بھی نہیں، اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ اس گہرے اور خطرناک سمندر میں داخل ہونے کے بعد اس کی لہروں میں غرق ہو کر یا اس کے مگرمچھوں کا لقمہ بن کر ساحل تک واپسی کا موقع نہیں پاسکوں گا۔

ایک گراں قدر نصیحت وتربیت کا اثر

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے احقر نے اپنے زمانۂ طالب علمی سے لے کر زمانۂ تدریس تک ہمیشہ اپنے والدین اور اساتذۂ کرام اور مشایخ عظام کی نصیحتوں کو یاد رکھنے اور ان کے اندازِ تربیت کو حتی الامکان اپنانے کی کوشش کی ہے، اور آج تک اپنی غفلتوں کے باوجود ان کی گراں قدر نصیحتوں اور مخلصانہ اندازِ تربیت کے ایسے فوائد وثمرات مجھے نظر آتے ہیں جنہیں دیکھ کر ان کے لیے غائبانہ طور پر دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں۔ میرے والدین مکرمین اور اساتذۂ کرام ومشایخ عظام (جن میں سرِفہرست میرے مرشد ومکرم استاذ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ سابق رئیس

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند اور میرے محترم اُستاذ حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند ہیں) کی پر اَثر نصیحتوں میں سے اس مضمون کی مناسبت سے صرف ایک قیمتی نصیحت کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے:

''ایسے آلاتِ جدیدہ کو جو مختلف الجہات یعنی فوائد ونقصانات دونوں پر مشتمل نظر آتے ہوں، اس وقت تک استعمال کرنے کی کوشش نہ کریں، جب تک ان کے مثبت ومنفی دونوں گوشوں پر غور اور دونوں کے درمیان موازنہ نہ کرلیں، اس لیے کہ انسان جلد باز واقع ہوا ہے، وہ مثبت گوشوں سے جلد متأثر ہوتا ہے اور منفی گوشوں سے غفلت برتتا ہے، چنانچہ ذرائع ابلاغ واشتہارات کے ذریعہ جب کسی نئی چیز کے فوائد اس کے علم میں آتے ہیں تو وہ فوراً اس کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس کے منفی گوشوں اور نقصانات پر غور کرنے کی کوشش نہیں کرتا، جس کے نتیجے میں وہ آہستہ آہستہ اس کے نقصانات کا شکار ہوجاتا ہے اور اس کو اندازہ بھی نہیں ہوتا، اور بالآخر بہت بڑا نقصان اُٹھاتا ہے۔''

انٹرنیٹ کے فوائد توزبان زدِ خاص وعام ہوچکے ہیں، اس لیے انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں، اجمالی طور پر مضمون کے شروع میں ان کا ذکر آبھی چکا ہے، البتہ اس کے نقصانات میں سے چند بنیادی نقصانات کا تذکرہ اور ان سے بچنے کا طریقہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو انٹرنیٹ سے منسلک ہیں یا بعد میں منسلک ہونے والے ہیں، وہ ان نقصانات کو سمجھیں اور ان سے بچنے کی فکر کریں:

پہلا نقصان: بے حیائی پھیلانا

انٹرنیٹ کا پہلا نقصان یہ ہے کہ وہ بے حیائی وعریانیت پھیلانے، فسق وفجور کے مناظر پیش کرنے کا سب سے بنیادی اور سستا ذریعہ ہے، اس کے ذریعہ اخلاقی ودینی تباہی، نوجوان مرد وخواتین کی بے راہ روی وگمراہی، شر وفساد کی وادیوں میں ان کی ہلاکت اور اسلامی اقدار وپاکیزہ روایات سے ان کی لاتعلقی عام ہوتی جارہی ہے! کتنے والدین ایسے ہیں جو انٹرنیٹ سے منسلک ہونے کے بعد اپنی اولاد کی گمراہی کا رونا رو رہے ہیں؟! اور کتنی نوجوان لڑکیاں ایسی ہیں جنہیں اس انٹرنیٹ کے توسط سے سبز باغ دکھایا گیا اور وہ دھوکہ کھا کر اپنے گھروں سے بھاگ گئیں؟! کچھ عرصے تک دھوکہ بازوں کی مذموم خواہشات کا نشانہ بن کر پھر بے یار ومددگار چھوڑی گئیں، جس سے دنیا وآخرت دونوں کا

نقصان اُنہیں اُٹھانا پڑا۔

دوسرا نقصان : وقت کا ضیاع

وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں وقت کی اہمیت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اس کی اوراس کے مختلف اجزاء کی قسمیں کھائی ہیں! چنانچہ کہیں تو زمانے کی قسم کھاتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وَالْعَصْرِ'' (زمانے کی قسم) اور کہیں رات اور دن کی قسم کھاتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى'' (رات کی قسم! جب وہ چھا جائے اور دن کی قسم! جب اس کی روشنی پھیل جائے) اور کہیں چاشت کی قسم کھاتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وَالضُّحٰى'' (چاشت کی قسم!) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دین کی بنیادی عبادات جیسے : نماز وروزہ اور حج ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے ان کے لیے اوقات بھی متعین کر دیئے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شریعت کی روشنی میں وقت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ وقت کی اہمیت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اگر انسان اس سے استفادہ کرنے اور اس کو فضولیات وعبثیات میں خرچ کرنے سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے تو بڑے مثبت نتائج حاصل کرسکتا ہے، اور اگر اس کو بے فائدہ اور گھٹیا کاموں میں خرچ کرتا رہا تو وہ ایک بڑے قیمتی سرمائے سے محروم ہو جائے گا۔

انٹرنیٹ کے نقصانات میں سے دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس سے منسلک اکثر لوگوں کے قیمتی اوقات اس کے استعمال کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں! وہ گھنٹوں تک بے حس وحرکت ہو کر اس کی اسکرین پر نظریں جما کر بیٹھتے ہیں، اور اکثر غیر ضروری بلکہ نقصان دہ اُمور کا مشاہدہ کرتے ہوئے ایک ہی نشست میں اپنے قیمتی اوقات میں سے ایک اچھا خاصا حصہ ضائع کر دیتے ہیں اور اُن کو اندازہ تک نہیں ہوتا۔

تیسرا نقصان : صحت پر اس کے منفی اثرات

ماہرین کا کہنا ہے کہ انٹرنیٹ کے زیادہ استعمال سے انسان ذہنی تناؤ اور نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو کر ہائی بلڈ پریشر، شوگر، جسمانی کاہلی وسستی اور وزن وموٹاپے کی زیادتی اور دیگر قلبی واعصابی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لیے کہ جب انسان طویل وقت تک ایسی حالت میں اسکرین کے سامنے بیٹھا ہوا ہوتا ہے کہ صرف دماغ کے علاوہ اس کے دیگر اعضاء ساکت ہوں تو سارا دباؤ دماغ ہی پر ہوتا ہے،

جسے وہ برداشت نہیں کرسکتا اور تناؤ کا شکار ہوجاتا ہے، اور باقی اعضاء طویل وقت تک حرکت نہ کرنے کی وجہ سے دیگر امراض کے شکار ہوجاتے ہیں!

میرے ایک مخلص دوست جناب حافظ ڈاکٹر محمد سمیر قریشی صاحب جو ذہنی امراض کے متخصص اور ڈاؤیونیورسٹی کراچی (Dow Univesity Karachi) کے پروفیسر ہیں، انہوں نے بتایا کہ بعض ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ انٹرنیٹ کی کثرتِ استعمال سے وہ بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں جو منشیات کے استعمال سے پیدا ہوتی ہیں، اس لیے کہ اس کے زیادہ استعمال سے جسم کے اندر وہی مضر کیمیاوی مواد پیدا ہوجاتے ہیں جو منشیات کے استعمال سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ مواد انسان کو اس کے مزید استعمال کرنے پر مجبور کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مختلف بیماریوں کا شکار ہوجاتا ہے۔

چوتھا نقصان : تعلیمی میدان میں پستی

احقر جس مسجد میں امامت وخطابت کی ذمہ داری انجام دے رہا ہے، اس مسجد کے نمازی حضرات اور دیگر متعلقین میں سے مختلف لوگوں نے بتایا کہ اُن کے بچے انٹرنیٹ کی کثرتِ استعمال کی وجہ سے تعلیمی میدان میں کافی پیچھے رہ گئے، پڑھنے اور مطالعہ کرنے سے ان کا تعلق کمزور پڑ گیا، اس لیے کہ وہ اپنا اچھا خاصا وقت انٹرنیٹ سے منسلک لیپ ٹاپ اور موبائل فون کی اسکرین کے سامنے بیٹھ کر خرچ کرتے ہیں اور جب تھک جاتے ہیں تو باقی وقت کھیل کود، کھانے پینے اور سونے میں خرچ کرتے ہیں، پڑھنے کے لیے ان کے پاس وقت نہیں بچتا۔

پانچواں نقصان : معلومات چوری کرنے کا ذریعہ

انٹرنیٹ دوسروں کی معلومات چُرا لینے کا ذریعہ بھی بن گیا ہے، چنانچہ بعض لوگ اس کے ذریعے دوسروں کی خفیہ معلومات تک جو اُن کے خصوصی اُمور یا بینک کے حسابات سے متعلق ہوں رسائی حاصل کرلیتے ہیں اور پھر کبھی تو ان کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرتے ہیں اور کبھی بینکوں سے اُن کی رقوم چُرا لیتے ہیں! اسی طرح کچھ لوگ انٹرنیٹ کے ذریعے مختلف علماء کی تالیفات ومضامین تک آسانی کے ساتھ رسائی حاصل کرلیتے ہیں اور پھر اُن میں کچھ ردّ وبدل کرکے اپنی طرف منسوب کرتے ہیں، تاکہ وہ محنت وجدوجہد کے بغیر مصنّفین کی فہرست میں شامل ہوجائیں۔

چھٹا نقصان : خاندان کے افراد کے درمیان لاتعلقی

انٹرنیٹ کے زیادہ استعمال کی وجہ سے اولاد و والدین، میاں بیوی اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے درمیان دوریاں پیدا ہورہی ہیں جس سے اُن کے آپس کے حقوق متأثر ہوکر ناچاقیاں جنم لے رہی ہیں، اور میاں بیوی کے درمیان تلخیاں بڑھتی جارہی ہیں! یہاں تک کہ بعض دفعہ طلاق تک نوبت پہنچتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ خاندانی جھگڑے، قریبی رشتہ داروں اور میاں بیوی کے درمیاں تلخیاں اور دوریاں پیدا ہونا بڑی ناکامی اور محرومی کی بات ہے۔

ساتواں نقصان : غلط معلومات کی اشاعت

انٹرنیٹ کے ذریعے دینی ودنیوی موضوعات سے متعلق بڑے پیمانے پر غلط معلومات کی اشاعت کا کام بھی کیا جارہا ہے۔ باطل تحریکات مسلمانوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے، ان کے عقائد کو بگاڑنے اور اپنے باطل عقائد ونظریات کو پھیلانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اسی طرح خود مسلمانوں میں سے بعض کم علم یا باطل افکار کے حامل لوگ تفسیر وحدیث وفقہ اور دیگر دینی علوم سے متعلق ایسی غلط معلومات انٹرنیٹ کے ذریعے پھیلاتے ہیں جنہیں درست سمجھ کر ایک عام مسلمان دینی موضوعات سے متعلق غلطیوں کا شکار ہوجاتا ہے، لہٰذا! جب تک کسی مستند ذریعے سے تصدیق نہ کی جائے اس وقت تک صرف انٹرنیٹ کی معلومات پر اعتماد نہ کیا جائے۔

انٹرنیٹ کے نقصانات میں سے مذکورہ بالا ایسے بنیادی سات نقصانات ہیں جن سے بچنے کے لیے ہر مسلمان مرد وخاتون کو ہوشیار رہنا چاہیے۔

انٹرنیٹ کے نقصانات سے بچنے کا راستہ

اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مندرجہ ذیل چند ایسی باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اگر مسلمان مرد وخواتین ان باتوں کو ذہن نشین کرتے ہوئے ان پر عمل کریں گے، تو اُمید ہے کہ انٹرنیٹ کے نقصانات سے بچ سکیں گے:

پہلی بات

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہر مسلمان مرد وخاتون کو نگاہ کی حفاظت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

”قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَايَصْنَعُوْنَ، وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۔“

(النور: ۳۱-۳۰)

”اے پیغمبر! ایمان والوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے، بلاشبہ جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے، اور ایمان والی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔“

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنگاہی کی تباہ کاری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”النظرة سهمٌ من سهام إبليس مسمومةٌ۔“ (رواہ الحاکم فی المستدرک، ۳۴۹/۴)

”بدنگاہی شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے۔“

لہٰذا! ہر مسلمان مرد و خاتون کے لیے ضروری ہے کہ مندرجہ بالا نصوص کو مدِّنظر رکھتے ہوئے بدنگاہی اور بے حیائی وفساد کے مناظر سے اجتناب کرے، کیا خوب کہا ہے ایک عرب شاعر ابو محمد عبد اللہ بن محمد اندلسی قحطانی نے اپنے قصیدہ نونیہ میں:

وإذا خلوتَ بريبة في ظلمة		والنفس داعية إلى الطغيان
فاستحي من نظر الإلٰه وقل لها		إن الذى خلق الظلام يراني

”جب تمہیں تنہائی میں کسی تہمت والے کام کا موقع ملے اور تمہاری خواہش تمہیں گناہ کی دعوت دے رہی ہو تو ایسی حالت میں تم اللہ کی غیبی نگاہ سے شرم کرتے ہوئے اپنی خواہش سے کہو کہ جس ذات نے تاریکی پیدا کی ہے، وہ مجھے دیکھ رہی ہے۔“

دوسری بات

اللہ تعالیٰ نے اپنے مسلمان بندوں کو جہاں عبادت کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں اُن کے رشتہ داروں اور زیارت کرنے والوں اور خود اُن کی اپنی ذات کے حقوق کو بجالانے کا بھی حکم دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

”إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا“ (بے شک مؤمنوں پر مقررہ اوقات میں نماز فرض ہے)، اور فرماتے ہیں: ”وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّه“ (اور رشتہ دار کو اس کا حق دو)۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے فرمایا :

''فإن لجسدک علیک حقًا وإن لعینیک علیک حقًا، وإن لزوجک علیک حقًا وإن لزورک علیک حقًا'' (رواہ البخاری ۱/ ۲۶۵)

''تیرے جسم کا تیرے اوپر حق ہے، اور تیری آنکھوں کا تیرے اوپر حق ہے، اور تیری بیوی کا تیرے اوپر حق ہے، اور تیرے زائرین کا تیرے اوپر حق ہے۔''

لہٰذا ہر مسلمان کے ذمے یہ ضروری ہے کہ ان تمام حقوق کا خیال رکھے اور اپنا نظام الاوقات اس طرح بنادے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کے سب اپنے اپنے اوقات میں ادا ہوتے رہیں، اور انٹرنیٹ کے بے جا استعمال سے اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرے اور نہ ہی اپنی صحت کو برباد کرے، اس لیے کہ صحت وفراغت اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہیں، اگرچہ اکثر لوگ اُن کی قدر نہیں کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث ملاحظہ ہو:

''عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما قال :قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم :نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس :الصحة والفراغ۔'' (رواہ البخاری ۲/ ۹۴۹)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : اللہ کی نعمتوں میں سے دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ اُن کی ناقدری کرتے ہوئے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک نعمت صحت وتندرستی اور دوسری نعمت فرصت وفراغت ہے۔''

تیسری بات

والدین اور سرپرستوں کے ذمے ضروری ہے کہ اپنی اولاد اور بچوں کو انٹرنیٹ کے نقصانات اور منفی گوشوں سے اچھی طرح آگاہ کریں، اور اُنہیں ان نقصانات سے بچنے کی تلقین کریں، اور خلوتوں میں ان کی سرگرمیوں کی کڑی نگرانی کریں، ان کو اس طرح آزاد ہرگز نہ چھوڑیں کہ وہ جو چاہیں کریں، تاکہ وہ شر وفساد کی خطرناک وادیوں میں ہلاکت سے محفوظ رہیں۔

چوتھی بات

اگر کسی کا اپنے اوپر یہ اعتماد نہیں کہ وہ انٹرنیٹ کے استعمال کی صورت میں اس کے منفی گوشوں

سے بچ سکتا ہے تو ایسے شخص کے لیے شریعت کی روشنی میں اس کا استعمال تنہائی میں جائز نہیں، لہٰذا وہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے اور بوقت ضرورت صرف مثبت انداز میں اپنے بزرگوں یا نیک ساتھیوں کی موجودگی میں اُسے استعمال کرے۔ اپنے اس مضمون کے آخر میں شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کا ایک شعر ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

نعت

از: حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی

استاد شعبۂ عربی مدرسہ منبع العلوم خیرآباد/مئو 7275565668

نعتِ خیرالوریٰ کررہا ہوں بیاں		طائرِ فکر ہونے لگا پَر فِشاں
بابِ رحمت کھُلے مجھ پہ ربِّ جہاں		اس کے صدقے میں پہونچادے باغِ جناں

تو بڑا رحم والا بڑا مہرباں
تیری قدرت کے قبضے میں ہے کل جہاں

دینِ حق کا وہ اعلان کرتے رہے		اور پاداش میں ظلم سہتے رہے
غم اٹھاتے رہے دل میں کُڑھتے رہے		اور دعا خیر کی سب کو دیتے رہے

کس قدر تھا وسیع ان کا قلبِ نہاں
اللہ واحدٌ ان کے وردِ زباں

جب وہ مکہ سے طائف روانہ ہوئے		دل میں اپنے ،بڑی آرزو تھے لئے
اور وہاں جو بھی سردار و اعیان تھے		ان سے جاکر نبیؐ مکرم ملے

ان کے کانوں میں دی دینِ حق کی اذاں
جس کے بدلے میں سننی پڑیں گالیاں

ان کی محرومیوں پر بڑا دکھ ہوا	غم زدہ غم زدہ سوختہ سوختہ
شہرِ مکہ کا پھر راستہ لے لیا	اور کرتے رہے ان کے حق میں دعا

خالقِ انس وجاں اے خدائے جہاں

بس تری ذات ہی ان کی ہے پاسباں

نقش توحید کا ان کے دل پہ جما	ان کو توبہ کی توفیق کردے عطا
حق کی آواز پر یہ کہیں مرحبا	تجھ سے اتنی مری عرض ہے اے خدا

ہو نصیب ان کو احساسِ سود و زیاں

خوب سے خوب تر ان کی ہو داستاں

ان کی ہی نسل سے لوگ آگے بڑھے	دیکھتے دیکھتے سندھ تک آگئے
ان سے پہلے بھی کچھ لوگ آتے رہے	فاتحِ سندھ تو ابنِ قاسم بنے

حاملِ حسنِ اخلاق تھا کارواں

بقعۂ نور تھا پھر تو ہندوستاں

یہ بھی ہے میرے سرکار کا معجزہ	آیتِ وَ رَفعنا لکَ حق نما
درحقیقت ہے چشمِ بصیرت کُشا	صوتِ حق کا ہوا چار سو غلغلہ

گونج اٹھی پوری دنیا میں حق کی اذاں

بحرِ رحمت کی موجیں ہوئیں بیکراں

آنِ واحد میں بیت المقدس گئے	انبیاء کی امامت پہ فائز ہوئے
اپنی امت کی معراج کے واسطے	عرشِ اعظم کے پائے کو بوسے دیئے

یہ سفر بن گیا جاوداں جاوداں

آپ کی عبقریت کا اعلیٰ نشاں

ان کی توصیف یہ مختصر سی ہوئی	فکر درماندہ ہو ہو کے رکنے لگی
نعتِ نبوی میں میری کٹے زندگی	مجھ کو ملتی رہے اس سے آسودگی

چاہتا ہے یہی عارفؔ نعت خواں

اے خدائے جہاں ، اے خدائے جہاں

علمی تحقیق

بوقتِ نکاح ورخصتی سیدہ عائشہ رضؓ کی عمرِ مبارک کی تحقیق

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

اِس مسئلہ پر اہلِ مغرب اور مستشرقین سے مرعوب اَفراد اور طبقات کی طرف سے اِعتراضات کا سلسلہ ایک مدت سے جاری ہے، آج سے تقریباً بائیس سال قبل اِس سے متعلق ایک کتابچہ بھی نظر سے گذرا تھا، بعد میں بھی مختلف احباب کے زبانی استفسارات کی مناسبت سے اِس طرف معمولی توجہ ہوتی رہی، کبھی باقاعدہ بحث وتمحیص کی نوبت نہیں آسکی تھی، ابھی کچھ عرصہ قبل بعض حضرات نے اِس موضوع سے متعلق ایک صاحب کا مضمون تبصرہ کی فرمائش کے ساتھ اِرسال فرمایا، حسبِ فرمائش مرسلہ مضمون بغور پڑھا، اس میں ''صحیحین'' کی مشہور حدیثِ عائشہؓ پر جو روایتی ودرایتی اعتراضات کیے گئے ہیں، آئندہ سطور میں اُن ہی اعتراضات کے علمی وتحقیقی جوابات مختصر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے (تفصیل ایک مستقل رسالہ میں پیش کردی گئی ہے)، اللہ تعالیٰ اِس ادنیٰ کاوش کو دافعِ فتن، رافعِ شکوک وشبہات اور نافعِ خلقِ خدا بنائیں۔

حدیثِ عائشہؓ: بخاری (۵۱۳۴) ومسلم (۱۴۲۲) اور حدیث کی دیگر مشہور کتابوں میں، اِسی طرح تاریخ وسیَر کی تمام ہی قابلِ ذکر کتابوں میں، مختلف طرق اور اسانید سے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنتُ سِتِّ سِنِيْنَ، وَبَنَى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسعِ سِنِيْنَ.

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا جب کہ وہ چھ سال کی تھیں، اور اُن سے ملاقات فرمائی جب کہ وہ نو برس کی تھیں)۔

بعض طرق میں ''بنت ست سنین'' کے بجائے ''بنت سبع سنین'' وارد ہوا ہے۔

معترضین کی طرف سے اِس حدیث پر روایتی ودرایتی دونوں پہلوؤں سے اعتراضات کیے گئے ہیں، اولاً روایتی پہلو سے کیے گئے اعتراضات کا خلاصہ مع جوابات پیش کیا جاتا ہے۔

روایتی پہلو سے کیے گئے اعتراضات اور اُن کے جوابات:

اِعتراض (۱): ''یہ روایت پانچ سلسلوں سے مروی ہے، اور ہر ایک سلسلہ: ''هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة'' پر ختم ہوجاتا ہے، یعنی ہشام ہی تنہا اس روایت کو بیان کرنے والے ہیں''۔

جواب: یہ اعتراض حد درجہ کوتاہ نظری پر مبنی ہے، اس لیے کہ:

أ: یہ روایت ''ہشام'' سے پانچ کے بجائے دس سے زائد سلسلوں سے مروی ہے۔

چنانچہ خاص اِس مضمون کو بخاری میں ''ہشام'' سے روایت کرنے والے چار راوی ہیں: علی بن مسہر (۳۸۹۴)، ابواسامہ (۳۸۹۶)، سفیان ثوری (۵۱۳۳)، وہیب بن خالد (۵۱۳۴)۔

مسلم (۱۴۲۲) میں دو راوِی: ابومعاویہ اور عبدة بن سلیمان کا اضافہ ہے۔

اس کے علاوہ سننِ ابوداود (۴۹۳۳) میں ساتویں راوی: حماد بن زید، سننِ نسائی (۳۲۵۶) میں آٹھویں راوی: جعفر بن سلیمان ہیں۔

اور یہ تفصیلات تو کتبِ ستہ کے دائرے کی ہیں، ورنہ اگر یہ دائرہ وسیع کیا جائے تو مذکورہ بالا رُوات کے علاوہ: مسند الشافعی (۸۹) و (۷۰۲) میں سفیان بن عیینة کی روایت ہے، مسند احمد میں عبد الرحمن ابن ابی الزناد (۲۴۸۶۷) اور حماد بن سلمہ (۲۶۳۹۷) کی روایت ہے، پھر مستدرک حاکم، طبرانی اور دیگر کتبِ حدیث کی مراجعت سے اِس تعداد میں مزید اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

اعتراض (۲): ''عروة بن الزبیر'' سے اس حدیث کو روایت کرنے والے تنہا ہشام ہیں، اُن کا کوئی متابع نہیں۔

جواب: ''عروہ'' سے روایت کرنے والوں میں ''ہشام'' کے علاوہ زُہری کی روایت تو خود صحیح مسلم (۱۴۲۲) ہی میں موجود ہے، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور بھی متابع ہو۔

اعتراض (۳): ''اِس حدیث کی سیدہ عائشہؓ سے بس یہی ایک سند ہے''۔

جواب: یہ اعتراض بھی کوتاہ نظری پر مبنی ہے، حضرت عائشہؓ سے اس قصے کو روایت کرنے والے راویوں کی تعداد آٹھ کے قریب ہے، جن میں سے اَسود کی روایت ''صحیح مسلم'' (۱۴۲۲) میں، ابو عُبیدہ اور ابوسلمہ کی روایت ''سنن نسائی'' (۳۲۵۷) میں، یحیی بن عبد الرحمن بن حاطب کی روایت ''سنن ابی داود'' (۴۹۳۷) میں، ابن ابی ملیکہ کی روایت ''مسند'' اِسحاق بن راہویہ (۱۷۸۴) میں، قاسم بن محمد کی روایت ''الآحاد والمثانی'' (۳۰۰۷) میں، عبد

الملک بن عمیر کی روایت "المعجم الکبیر" للطبرانی (ج:۲۳، رقم: ۷۴) میں موجود ہے، ایک اور طریق "الآحاد والمثانی" (۳۰۳۶)، "مصنف ابن أبی شیبۃ" (۳۲۲۷۸) وغیرہ میں ہے، اُس میں فی الجملہ جہالت پائی جاتی ہے۔

سرسری نظر سے "ہشام بن عروہ" کی متابعتِ قاصرہ کے طور پر روایت کے یہ طرق جمع ہو گئے، مزید تتبع سے اس میں اضافہ مستبعد نہیں۔

پھر "سنن" نسائی (۵۳۵۰) اور ابن ماجہ (۱۸۷۷) میں **عن إسرائیل، عن أبي إسحاق، عن أبي عبیدۃ، عن عبد اللہ بن مسعود** کے طریق سے اس کا شاہد بھی موجود ہے۔

اِس طریق کو اگرچہ نسائی نے مرجوح اور معلول قرار دیا ہے، اور بظاہر ان کی رائے قوی بھی ہے، مگر یہاں طبرانی کی "معجم کبیر" (۱۰۲۷۹) میں شریک کی طرف سے اِسرائیل کی متابعت پائے جانے کی وجہ سے امام نسائی سے اِختلاف کی گنجائش بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

بہر کیف! اتنے کثیر طرق اور اسانید کے ہوتے ہوئے جہاں ایک طرف دعویٰ تفرد باطل ہو جاتا ہے، وہیں دوسری طرف روایتی لحاظ سے حضرت عائشہؓ سے اس کے ثبوت میں کوئی تردد اور احتمال بھی باقی نہیں رہ جاتا، بلکہ کسی صحابی سے حدیث کے اتنے طرق کے ہوتے ہوئے حنفیہ کی اصطلاح کے اعتبار سے روایت "شہرت" کے مرتبے کو پہنچ جاتی ہے، جس کا منکر "ضال" اور گمراہ قرار پاتا ہے۔

اعتراض (۴): "ہشام بن عروہ کو آخر عمر میں اختلاط اور نسیان کا مرض لاحق ہو گیا تھا، اور یہ روایت اُن کی آخر ہی عمر کی ہے"۔

جواب: یہ بات درست ہے کہ آخر عمر میں اُن کو کچھ بھول ہونے لگی تھی، مگر اولاً تو محدثین نے اُس کو معمولی نسیان قرار دیا ہے، اصطلاحی "اختلاط" نہیں مانا ہے۔ ثانیاً زیرِ بحث حدیث کو اُن سے روایت کرنے والے اکثر رُواۃ بھول کے زمانے سے پہلے کے ہیں، اِس لیے یہ خدشہ بھی جاتا رہا، نیز گذشتہ تفصیلات کے بعد اُن سے متعلق کسی بھی قسم کی جرح کی بھی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی، کیوں کہ اگر ہشام کے طریق سے یہ روایت نہ بھی ثابت ہوتی، جب بھی اُن کے علاوہ آٹھ کے قریب رُواۃ اس کو سیدہ عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، جس سے روایت کے اندر اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اُس کو بلا تامل "صحیح" کہا جا سکتا ہے۔

پھر ہشام بن عروہ سے متعلق یہ بحث، صرف **تکملۃً للموضوع** اضافی طور پر کی گئی ہے، ورنہ ہشام کی انفرادی حیثیت سے حدیث کی مجموعی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ دوسرے طرق اور شواہد

کے ساتھ اپنی جگہ بہر حال بالکل صحیح اور بے غبار ہے۔

درایتی پہلو سے کیے گئے اعتراضات اور اُن کے جوابات:

اعتراض (۱): ''بخاری ہی میں روایت موجود ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ: ''میں نے جب سے ہوش سنبھالا (سوچنے سمجھنے کے لائق ہوئی) اپنے والدین کو دینِ اسلام پر قائم پایا، اور کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر صبح وشام تشریف نہ لاتے ہوں، اور جب مسلمانوں کے خلاف ایذا رسانی بڑھ گئی ابو بکر حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے''۔

جواب: حضرت ابو بکرؓ کی یہ ہجرت نبوت کے پانچویں سال میں کی جانے والی وہ مشہور ہجرتِ حبشہ نہیں تھی جس میں اسّی کے قریب صحابہؓ نے ہجرت فرمائی تھی، بلکہ خود بخاری (۲۲۹۸) کی اسی روایت کے مطابق قصہ یہ ہوا تھا کہ ہجرتِ مدینہ سے چند ماہ قبل آپؓ اپنے طور پر حبشہ کے لیے نکلے تھے، پھر ابن الدَّغِنہ نامی شخص کے اصرار پر بَرک الغِماد نامی بستی سے واپس آ گئے تھے، اور پھر اُسی کے آس پاس کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرتِ مدینہ کی خوش خبری سنائی، اور حضرت ابو بکرؓ کو تیاری کا حکم فرمایا۔

اعتراض (۲): ''جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا، حضرت خولہ بنت حکیمؓ تشریف لائیں، اور نکاح کے لیے عائشہؓ کا تذکرہ کیا، یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت خولہؓ نے حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپ کی تنہائی دور کرنے، گھر سنبھالنے، اور زندگی کی تگ ودَو میں ہاتھ بٹانے کی غرض سے حضرت عائشہ کی تجویز پیش کی تھی، جس کا مقصد واضح طور پر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ نکاح کے بعد فوری طور پر گھر بسا لیں، نہ کہ نکاح تو ابھی کر لیں، لیکن چونکہ وہ بچی و نابالغ ہیں اس لیے رخصتی کے لیے ان کے بالغ ہونے کا انتظار کرنا ہوگا''۔

جواب: مسند احمد (۲۵۷۶۹) کے حوالے سے حضرت خولہؓ کی جس روایت کا حوالہ دیا جا رہا ہے، وہ دراَصل حضرت عائشہؓ ہی کے طریق سے ہے، اُس میں راوی نے خود صراحت کر رکھی ہے کہ جس وقت پیغامِ نکاح آیا تھا عائشہؓ کی عمر چھ برس کی تھی: **فدَعَتْه، فزَوَّجها إياه، وعائشة يومئذ بنت ست سنين۔** پھر اِسی روایت کے آخر میں حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ جس وقت میری رخصتی ہوئی ہے اُس وقت میری عمر نو برس تھی: **فخَرَجُوا وبَنَى بي رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم في بيتنا... وأنا يومئذ بنت تسع سنين۔**

تو ایسی صراحت کے ہوتے ہوئے کسی قسم کے قیاس اور تخمینے کا موقع ہی نہیں رہ جاتا۔

اعتراض (۳): ''اِمام احمد ہی کی روایت ہے کہ خولہ بنت حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح حضرت عائشہ کی ماں اُمِّ رُومان رضی اللہ عنہا کو دیا، تو انھوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: کاش کہ ایسا ہو! لیکن ان کی بات مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر بن مطعم کے ساتھ چل رہی ہے، ابوبکر نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے، اور ابوبکر کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے، لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے انتظار کرنے کے لیے کہا، اور مطعم ابن عدی کے پاس گئے اور ان سے عائشہ کے لیے دیے ہوئے رشتے کے سلسلے میں بات کی (وہ لوگ مشرک تھے ہی اور ابوبکر کے اِیمان لانے سے خوش نہ تھے)، مطعم کی بیوی نے یہ کہتے ہوئے اِنکار کر دیا کہ: **مجھے خوف ہے کہ عائشہ میرے بیٹے کو اپنے دین سے پھیر دیں گی**''۔

مطعم بن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغامِ نکاح کب دیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اِسلام کے ابتدائی دور میں جب معاشرے میں اِسلام کی دعوت کو لے کر کشیدگی نہ تھی۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ ہجرت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۶ سال تھی تو جبیر بن مطعم کے ساتھ پیغام نکاح کی بات گویا اس وقت کی گئی تھی جب ان کی عمر ۶ سال سے بھی کم تھی؟ یہ تصور ہی مشکل ہے کہ اگر جبیر بن مطعم کے ساتھ نکاح ہوجاتا تو کیا حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کم عمری میں رخصت کرالی جاتیں؟ اور ان میں اتنی سوجھ بوجھ، عقل وفہم تھی کہ اپنے ہونے والے شوہر کا دین بدل سکیں؟ کیونکہ اسی خدشے کو منگنی ختم کرنے کا سبب بنایا گیا''۔

جواب: **یہ روایت بھی مسند احمد کی گذشتہ روایت ہی کا ایک جزء ہے، لہٰذا اِس میں بھی عمر کی تعیین کی وہ صراحت موجود ہے، جس کے ہوتے ہوئے آگے کے تحلیل وتجزیہ کا موقع ہی ختم ہوجاتا ہے۔**

اس کے علاوہ اس میں دین بدلوانے کی جو بات کہی گئی ہے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے، نہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں: **فقالت: يا ابنَ أبي قُحافة! لعلك مُصبِئُ صاحبِنا، مُدخِلُه في دِينك الذي أنتَ عليه، إن تَزوَّجَ إليك** (مطعم بن عدی کی زوجہ بولی: ابوقحافہ کے بیٹے! اگر یہ رشتہ ہوجاتا ہے تو اندیشہ ہے کہ تم ہمارے بیٹے کا بھی دین بدلوا کر اُس کو اپنے اُس دین میں داخل کردو گے جس پر تم خود ہو)۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ یہاں عائشہ رضی اللہ عنہا کا جبیر سے صرف رشتہ ہوا تھا، شادی کی ابھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی، اور یہ تو آج بھی ہوتا ہے کہ بہت مرتبہ آپسی رشتہ داروں کے ہاں، کسی مصلحت یا مناسبت سے رشتے بالکل بچپن میں کردیئے جاتے ہیں، غالباً حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اپنے قول: **كانت تُذكَر لِجُبير ابن مُطعِم وتُسمَّى له** (الاستیعاب ۴: ۱۸۸۱) میں اِسی نکتے کی طرف اِشارہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اعتراض (۴): ''بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی {بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ} [القمر: ۴٦] اس وقت میں جاریہ تھی، کھیل کود میں رہتی تھی۔

یہ آیت سورۂ قمر کی ہے، جونبوت کے پانچ سال بعد نازل ہوئی۔

''جاریہ'' عربی میں ٦ سے ۱۳ سال، یعنی بلوغ سے قبل عمر کی لڑکی کو کہتے ہیں، حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ یہ آیت جب نازل ہوئی میں جاریہ تھی، یعنی سوجھ بوجھ والی عمر تھی، اور نازل ہونے والی آیت کا مفہوم ومطلب سمجھتی تھی، یعنی ان کی عمر کم از کم ٦ / ۷ سال تھی۔ اس طرح نکاح کے وقت ان کی عمر تقریباً ۱۳ / ۱۴ سال، اور رخصتی کے وقت کم از کم ۱٦ سال ہوئی''۔

جواب: آیتِ مذکورہ کا نزول تو یقیناً مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل ہوا ہے، مگر ہجرت سے کتنے سال قبل ہوا ہے؛ اس کی کوئی صحیح دلیل سند کے ساتھ احقر کو نہیں ملی۔

پھر ''جاریہ'' کے لفظ کے بارے میں جو تعیین کی گئی ہے کہ وہ ''٦ سے ۱۳ سال، یعنی بلوغ سے قبل عمر کی لڑکی کو کہتے ہیں''، تحقیقی لحاظ سے یہ انتہائی کمزور (بلکہ کہنا چاہیے کہ بے بنیاد) دعویٰ ہے، کیوں کہ ''صحیحین'' (بخاری ومسلم) میں، شادی کے کافی بعد کی بھی تین ایسی حدیثیں ملتی ہیں جن میں حضرت عائشہؓ نے خود پر ''جارية حديثة السن'' (نوعمر لڑکی) کا اِطلاق کیا ہے:

۱- بخاری (۵۲۳٦) ومسلم (۸۹۲) کی روایت ہے، حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حبشہ سے آئے ہوئے کچھ لوگ مسجدِ نبوی میں نیزہ بازی کا کرتب دکھا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس ملاحظہ فرما رہے تھے، آپ کی آڑ میں مَیں بھی کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھیں، آپ میری وجہ سے دیر تک کھڑے رہے، پھر جب میرا دل بھر گیا، جب آپ ہٹے۔ آخر میں فرماتی ہیں: کہ ذرا میری جیسی کم عمر لڑکی کا کھیل کا شوق تو دیکھو! **فاقدروا اقدر الجارية الحديثة السن، الحريصة على اللهو** رخصتی کے بعد کا یہ قصہ ہے، اُس وقت بھی خود کو ''جاریہ'' کہہ رہی ہیں، وہ بھی ''کم سِن''!

۲- قصۂ اِفک میں ہے کہ جب میں ہار کی تلاش میں پیچھے رہ گئی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام نے میرا (خالی) ہودج اٹھایا تھا تو میری کم عمری، اور کم وزنی کی وجہ سے اُن کو اندازہ ہی نہیں ہوا کہ اِس میں کوئی ہے، یا نہیں؟ **فلم يستنكر القوم خفة الهودج حين رفعوه، وكنت جارية حديثة السن، فبعثوا الجمل وساروا** (بخاری: ۲٦٦۱، ۴۷۵۰، ومسلم: ۲۷۷۰)۔ سنہ ۵ / ہجری کے آس پاس کا واقعہ ہے، اور حضرت عائشہؓ ابھی تک ''جاریہ'' ہی ہیں!

۳- حجۃ الوداع کے سفر کے قصے میں مسلم (۱۲۱۱) کی روایت میں ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اپنے بھائی عبدالرحمن کے ساتھ عمرۂ تنعیم کے لیے جاتے ہوئے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنے بچپنے کی وجہ سے اونٹ پر بیٹھی اِس طرح اونگھ رہی تھی کہ بار بار میری پیشانی کجاوہ سے ٹکرا جا رہی تھی: **فإني لأذكر، وأنا جارية حديثة السن، أنعس فيصيب وجهي مؤخرة الرحل، حتى جئنا إلى التنعيم۔**

لفظِ ''جاریہ'' کے اِن تینوں مواقعِ استعمال سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ اُس کے اِستعمال کو ۶ سے ۱۳ سال تک کے لیے محدود کرنا؛ کوئی قوی قول نہیں ہے، وہیں یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت عائشہؓ، شادی کے وقت انتہائی کم عمر تھیں، جبھی تو حجۃ الوداع جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف تین ماہ قبل ہوا ہے، اُس وقت تک بھی آپ ''جاریۃ'' ہی رہیں، وہ بھی ''حديثة السن'' (نوعمر)!۔

معترضین کے دعوی کے اعتبار سے تو حجۃ الوداع (سنہ ۱۰ھ) تک سیدہ عائشہؓ کی عمر ۲۷ سال کے قریب ہونی چاہیے، اور ایسے میں ''جاریۃ'' کا اِطلاق، اور وہ بھی ''حدیثۃ السن'' کی قید کے ساتھ، خود ہی غور کرنا چاہیے کہ اِس کی کیا حیثیت بنتی ہے؟!۔

اعتراض (۵): ''تاریخی مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنی بہن اَسماء بنت ابی بکرؓ سے دس سال چھوٹی تھیں، حجاج بن یوسف کے ہاتھوں اپنے بیٹے عبداللہ بن الزبیرؓ کے قتل کے بعد ان کا انتقال سنہ ۷۳ ہجری میں ہوا، اور ان کی عمر اُس وقت سو سال کی تھی''۔

جواب: حضرتِ اسماء کی عمر تو مسلَّم ہے کہ ہجرت کے وقت ۲۷ برس تھی، مگر وہ حضرت عائشہؓ سے دس ہی سال بڑی تھیں، یہ ایک روایت ہے، دوسرا قول علامہ ذہبی کا ہے: **وكانت أسنَّ مِن عائشةَ بِبضعَ عشرة سنةً** (سیر أعلام النبلاء ۲/۲۲۸)۔ کہ اسماءؓ، عائشہؓ سے دس سال سے زیادہ بڑی تھیں، اور یہ معلوم ہے کہ ''بضع'' کے لفظ کا اِطلاق تین سے (یا ایک سے) نو تک کے عدد پر ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں دونوں کی عمروں کا یہ تفاوت ۱۸ / ۱۹ سال کا بھی ہوسکتا ہے، اور اسی سے تمام روایات میں تطبیق بھی ہوجاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اعتراض (۶): ''ابن عبدالبر کے مطابق بھی حضرت اَسماءؓ، حضرت عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں''۔

جواب: یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں: ایک حضرت اسماء اور حضرت عائشہ کی عمروں کا تفاوت۔ دوسرے بوقتِ نکاح ورخصتی حضرت عائشہ کی عمر۔

تو پہلے مسئلے سے متعلق ابن عبدالبر نے اپنے قول کے بجائے، ابن ابی الزناد کی بات نقل کی ہے، وہ

بھی جزم کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ بعشر سنین أو نحوھا (دس کے آس پاس) کے الفاظ کے ساتھ۔

دوسرے مسئلے کے بارے میں ابن عبد البر خود اپنی ذمہ داری پر بات کہہ رہے ہیں، وہ بھی اِس یقین اور خود اعتمادی کے لہجے میں: ’’... ہجرت سے تین سال قبل نکاح فرمایا؛ جب کہ عائشہؓ کی عمر چھ، یا سات سال تھی، اور رخصتی مدینہ منورہ میں ۹ سال کی عمر میں ہوئی، اِس میں مجھے نہیں معلوم کہ کسی کا اِختلاف ہے‘‘: **لاأعلمهم اختلفوا في ذلك۔**

پھر یہاں عائشہؓ خود اپنے بارے میں یقین کے ساتھ بتا رہی ہیں کہ میں نکاح کے وقت ۶ سال کی تھی، اِس میں تو تردد کیا جارہا ہے! اور وہاں ابن ابی الزنادؒ: اسماءؓ اور عائشہؓ کی عمروں کا موازنہ کر رہے ہیں، وہ بھی اندازے سے، پھر بھی ان کے قول سے عائشہؓ کی اطلاع کو مشکوک کرنے کی کوشش؛ یہ سراسر ناانصافی ہے۔

اعتراض (۷): ’’طبری پورے یقین کے ساتھ اپنی کتاب ’’تاریخ الأمم‘‘ میں لکھتے ہیں کہ اَبوبکر کی ساری اولاد دورِ جاہلیت میں یعنی اِسلام سے قبل پیدا ہوئی‘‘۔

جواب: یہ غلط فہمی طبری کی عبارت کے نا سمجھنے سے پیدا ہوئی ہے، ’’تاریخ الطبری‘‘ **(۳/۴۲۵)** میں موجود عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

’’ابوبکر نے جاہلیت کے زمانے میں قتیلہ بنت عبد العزی سے شادی کی، اُن سے عبد اللہ اور اسماء پیدا ہوئے، پھر دورِ جاہلیت ہی میں ام رومان بنت عامر سے نکاح فرمایا، جن سے عبد الرحمن اور عائشہ پیدا ہوئے، حاصل یہ کہ آپ کی یہ چاروں اولاد اُنہی دو بیویوں سے ہے جن دونوں کا تذکرہ ہم نے جاہلیت کے زمانے کی شادی کے ذیل میں کیا ہے، پھر اسلام کے زمانے میں آپ نے اسماء بنت عُمیس — جعفر طیار کی بیوہ — سے نکاح کیا.....‘‘۔

اِس عبارت میں اولادِ ابوبکر سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے کہ وہ کب پیدا ہوئی؟ جاہلیت میں، یا اِسلام میں؟ بلکہ اَزواجِ ابوبکر سے بحث کی گئی ہے کہ کن سے آپ نے نکاح اسلام سے پہلے کیا، اور کن سے بعد میں۔

اعتراض (۸): ’’ابن حجر کے بقول حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے ۵ سال بڑی تھیں، حضرت فاطمہؓ کی پیدائش ۵ سال قبلِ بعثت، تعمیر کعبہ کے وقت ہوئی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ سال تھی‘‘۔

جواب: یہاں بھی حافظ ابن حجرؒ کی پوری عبارت کا ترجمہ یہ ہے: ''سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی سالِ پیدائش میں اختلاف ہے، واقدی نے محمدِ باقر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ فاطمہ کی پیدائش اُس زمانے میں ہوئی جب کہ کعبہ کی تعمیر چل رہی تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف پینتیس برس تھی، ابن المدینی نے اِسی قول کو اختیار فرمایا ہے، اور ابن عبد البر نے عبید اللہ ہاشمی سے نقل کیا ہے کہ سیدہ زہراءؓ کی پیدائش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے اکتالیسویں سال میں ہوئی''۔

حافظ صاحبؒ بطور فیصلہ کے فرماتے ہیں کہ ''اُن کی ولادت بعثتِ نبوی سے کچھ پہلے ہوئی ہے: سال بھر، یا کچھ زیادہ، اور آپؓ، حضرت عائشہؓ سے پانچ برس بڑی تھیں''۔

یہ ہے ابن حجر کی پوری عبارت، اور آخر میں اُن کی فیصلہ کن رائے، جو بظاہر کسی تشریح اور وضاحت کی محتاج نہیں۔

اعتراض (۹): ''غزوۂ بدر میں عبد اللہ بن عمرؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا تھا، کیونکہ وہ کم عمر ۱۴ سال کے تھے، اسی طرح آپ نے غزوۂ اُحد میں کئی نوجوان صحابۂ کرام مثلاً سمرہ بن جندبؓ، زید بن ثابتؓ، اُسامہ بن زیدؓ وغیرہ کو واپس کر دیا تھا کہ وہ کم عمر تھے، غزوات میں شرکت کے لیے لڑکوں کے لیے کم از کم پندرہ سال متعین تھی۔

اِس صورت میں لڑکیوں کو اور وہ بھی ۱۵ سال سے کم ہوں، قطعاً اجازت نہیں مل سکتی تھی، جب کہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ غزوۂ اُحد میں شامل تھیں، اور حضرت اُم سُلیمؓ کے ساتھ مل کر مشکیزوں میں پانی بھر کر لاتیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں''۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ غزوات میں لڑکوں کی شرکت تو ضرب وحرب کے لئے ہوتی تھی، اس لئے وہاں تو بلوغ کی شرط واضح ہے، مگر عورتوں اور لڑکیوں کی شرکت زخمیوں اور بیماروں کی دیکھ بھال، کھانا پکانے اور پانی پلانے جیسے امور کے لئے ہوتی تھی اس لئے اس میں اصل چیز مستعدی اور اہلیت ہے نہ کہ بلوغ اور عمر۔

اور اصل جواب یہ ہے کہ یہ بات مسلّمات میں سے ہے کہ بلوغ کا مدار اصلاً ودیانتاً بلوغ کا مدار عمر پر نہیں ہے، بلکہ مخصوص علامات کے ظہور پر ہے، جب کوئی اور خارجی علامت نہ پائی جائے صرف اُس وقت قضاءً عمر کو قانونی معیار بنایا گیا ہے۔

اِس لیے اگر کسی اور علامت کے ذریعے بلوغ متحقق ہو جائے تو پندرہ سال سے کم عمری میں بھی

شریعت بالغ ہونا تسلیم کرلیتی ہے، اور یہ دین کا ایسا مشہور مسئلہ ہے جس کا علم ہر مسلمان کو ہونا چاہیے۔

اِس لیے اگر حضرت عائشہؓ کے بارے میں بلوغ کا یقین کسی اور علامت کے ذریعے ہوگیا ہو، تو اِس میں کیا اِستبعاد ہے؟

ڈاکٹر و حکیم ہری چند ملتانی (گولڈ میڈلسٹ) لکھتے ہیں: ''آرام و آسائش کے ماحول میں پرورش پانے والی لڑکیاں غریب گھروں کی لڑکیوں کی نسبت جلدی جوان ہوجاتی ہیں، ہندوستان جیسے گرم ملک میں لڑکیاں گیارہ سال کی عمر میں ہی جوان لگتی ہیں، لیکن ٹھنڈے دیش کی لڑکیاں سولہ سترہ سال کی عمر میں جوان ہوتی ہیں، اِس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ لڑکی کا جوان ہونا مقامی رہن سہن، آب و ہوا، اور کاروبار، جسمانی حالت، آرام طلبی، سخت محنت وغیرہ کئی باتوں پر منحصر ہے''۔ (تاج الحکمت ص ۳۳۳)۔

انٹرنیٹ پر محکمۂ صحت کی طرف سے دی گئی معلومات کے تحت درج ہے:

> ''لڑکیوں میں لڑکوں کے مقابلے میں (بلوغت کے) اِس عمل کا آغاز جلد ہوتا ہے، اور یہ ۸ سال سے ۱۱ سال کی عمر میں ہوسکتا ہے''۔

آج کے دور میں کچھ ایسے اسباب اور دواعی پائے جاتے ہیں کہ لڑکیاں اور جلدی بالغ ہونے لگی ہیں، بی بی سی کی رپورٹ ہے:

> ''ترقی یافتہ ممالک میں بچوں کی سن بلوغت کو پہنچنے کی عمر کم سے کم ہو رہی ہے، اور بعض لڑکیاں سات سال کی عمر میں بھی بالغ ہورہی ہیں...... ، ۱۹۹۰ء میں لڑکیوں میں بلوغت کی ابتدائی علامات آٹھ سال کی عمر میں پیدا ہونا شروع ہوتی تھیں، اور یہ عمل دو سال میں مکمل ہوتا تھا، اَب ماہرین کے مطابق کچھ لڑکیاں سات سال کی عمر میں بالغ ہوجاتی ہیں'' اھ۔

اعتراض (۱۰): ''حضرت عائشہؓ کے علاوہ اور کوئی نظیر کیوں نہیں ملتی، جن کی شادیاں اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں ہوگئی ہوں''۔

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قول، فعل، یا حال کے ثبوت کے لیے تو صرف دو شرطیں ہیں: صحتِ سند، اور اُس منقول اَمر کا ثابت شدہ شرعی اصول، اور مسلَّمہ عقلی اصول کے خلاف نہ ہونا۔

باقی کسی کی عقل میں نہ آنا، یا اُس کی نظیر نہ ملنا، یہ ہرگز مستلزمِ انکار، یا موجبِ رد نہیں ہوسکتا، کیوں کہ پھر تو یہ اپنی عقل پر، یا اُس نظیر پر ایمان ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہاں ہوا؟۔

اِس کے باوجود ہم یہاں تبرعاً چند نظائر کی طرف بھی اشارہ کیے دیتے ہیں:

قرآنِ کریم میں سورۂ طلاق کی آیت نمبر (۴) میں تین طرح کی عورتوں کی عدت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے: آئسہ، نابالغہ، اور حاملہ۔ اِس آیت میں واضح طور پر نابالغ بچی سے بھی نکاح کے جواز کی طرف اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ فقہاء نے اِس آیت کے تحت لڑکیوں میں بلوغ کے معیار پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، امام محمدؒ نے اپنی ''کتاب الأصل'' میں اِس پر باب قائم فرمایا ہے: ''باب نکاح الصغیر والصغیرۃ''، اس کی شرح میں امام سرخسیؒ نے صغیرہ سے نکاح کے متعدد آثار وواقعات ذکر فرمائے ہیں (المبسوط ۴/ ۲۲۲)۔

اِسی طرح امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ''باب بلوغ الصبیان'' کا باب منعقد فرمایا، اور اُس کے تحت مشہور فقیہ حسن بن صالح الہمدانی الکوفیؒ سے نقل کیا ہے کہ میری ایک پڑوسن تھی جو اکیس سال کی عمر میں ''جدہ'' (نانی) بن گئی تھی۔ اس کی شرح میں حافظ ابن حجرؒ نے امام شافعیؒ سے بھی اسی طرح کا مشاہدہ نقل فرمایا ہے۔ بلکہ سیدنا حضرت عمرؓ نے نواسیٔ رسول ام کلثوم بنت علیؓ سے اُس وقت نکاح فرمایا جب کہ ایک روایت کے مطابق وہ صرف ۶/ سال کی تھیں، اور ابن سعد کی روایت میں ہے: وھی جاریۃ لم تبلغ (طبقات ابن سعد ۸/ ۴۶۵)۔

خود بناتِ طیبات میں سے حضرت رقیہؓ اپنے بھائی بہنوں میں چوتھے یا پانچویں نمبر پر تھیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی پیدائش بعثتِ نبوی سے زیادہ سے زیادہ سات آٹھ سال قبل ہوئی ہوگی، اور وہ نبوت کے پانچویں سال اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت میں ساتھ تھیں، جس وقت کہ اُن کی عمر ۱۲ / ۱۳ سال کے قریب رہی ہوگی؛ درانحالیکہ اس سے پہلے وہ عُتبہ بن ابی لہب کے نکاح میں بھی رہ چکی تھیں؛ اگرچہ رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

اعتراض (۱۱): ''حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت الرسول کی شادیاں ۱۸ سال کے بعد ہی ہوئیں''۔

جواب: ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ: ''سیدہ فاطمہؓ کی حضرت علیؓ سے شادی کے وقت: سیدہؓ کی عمر ساڑھے پندرہ برس تھی، اور حضرت علیؓ کی عمر ساڑھے اکیس برس''۔ اور یہی بات حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک بھی راجح ہے۔

بوقتِ رخصتی سیدہ عائشہؓ کی کم عمری کے واضح قرائن:

یہ سب گفتگو تو حضرتِ عائشہؓ کی شادی سے متعلق ایک خاص حدیث کے تناظر میں تھی، ورنہ اگر

نظر میں وسعت پیدا کر کے اِستفادہ کا دائرہ وسیع کرلیا جائے تو اس کی تائید دیگر بہت سی احادیث وروایات سے بھی ہوتی ہے:

۱- چنانچہ ہشام بن عروۃ، عن ابیہ، عن عائشہؓ کی اِسی زیرِ بحث حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: جس وقت میری رخصتی کی تیاری ہورہی تھی میں سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی (بخاری ومسلم)۔

۲- بخاری (۶۱۳۰) کی روایت میں ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیا کھیلتی تھی، آپ جب تشریف لاتے تو سہیلیاں پردے میں ہوجاتیں، تو آپ واپس ہوکر پھر اُن کو میرے پاس بلادیتے۔

۳- ابوداود (۴۹۳۲) کی روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو حضرت عائشہؓ کی گڑیوں پر نظر پڑی، اُس میں ایک پردار گھوڑے کی صورت بھی تھی، آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیا؟! کہیں گھوڑوں کے بھی پر ہوتے ہیں؟! کہنے لگیں کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر نہیں تھے؟ اِس پر آپ کو ہنسی آ گئی۔

۴- ابوداود (۲۵۷۸) ومسند احمد (۲۶۳۲۰) کی روایت ہے: عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ذرا آگے کردیا، پھر مجھ سے فرمایا کہ آؤ! دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں، اُس وقت میں کم عمر اور ہلکی پھلکی تھی: **وأنا جارية لم أحمل اللحم، ولم أبدُن**، تو میں مقابلہ جیت گئی، پھر ایک مدت بعد جب میں بھاری بدن کی ہوگئی تھی، اُس وقت اسی طرح پھر آپ نے مسابقہ کی دعوت دی، میں بے خیالی میں تھی، مقابلہ ہوا، اور میں ہار گئی، آپ نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا: ”**هذه بتلك**“ (آج کی یہ فتح اُس شکست کا بدلہ ہوگئی!)۔

اِن روایات سے بھی سیدہ عائشہؓ کی عمر کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شادی کے بعد بھی کتنا بچپنا تھا!۔ **واللہ تعالی أعلم بالصواب**۔

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت، وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت، وإليه أنيب، وصلى الله وبارك وسلم على سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين، والحمد لله رب العالمين.

راہِ عمل

روداد مطالعہ

مولانا سید محمد شاہد الحسنی سہارنپوری

اوائل صفر ۱۴۴۱ھ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے امین عام مولانا سید محمد شاہد الحسنی کے نام ماہنامہ النخیل کراچی کے مدیر مولانا ابن الحسن عباسی کی جانب سے بذریعہ واٹس ایپ ذیل کا مکتوب موصول ہوا:

محترمی حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''ماہنامہ النخیل'' کراچی سے شائع ہونے والا ایک کثیر الاشاعت جریدہ ہے اور الحمد للہ لاکھوں لوگ اسے پڑھتے ہیں، اس میں ہندو پاک کے اہلِ علم کے مقالات ومضامین بطور خاص شائع کئے جاتے ہیں، ماہنامہ کے منتظمین نے اس کا ''مطالعہ نمبر'' شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ نئی نسل کو اصحابِ علم ومطالعہ کے تجربات، ہدایات اور رہنما اصول سے روشناس کیا جاسکے۔

آپ ایک علمی شخصیت ہیں، یقیناً آپ کی علمی، مطالعاتی اور کتابی زندگی کی روداد اور رہنمائی سے شائقینِ علم وادب اور طالبانِ فکر ومطالعہ کو بہت فائدہ ہوگا۔

آپ سے درخواست ہے کہ اس حوالہ سے اپنا اثرِ خامہ تحریر فرماویں، آسانی کے لئے ایک سوالنامہ بھی بھیجا جارہا ہے۔

امید کہ آپ اس کے لئے کچھ وقت ضرور نکالیں گے! ابن الحسن عباسی

مدیر ماہنامہ النخیل، کراچی ۳؍صفر ۱۴۴۱ھ

اس مکتوب اور اس میں مذکور سوالنامہ کی روشنی میں صاحب قلم، مؤرخ مظاہر علوم، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے علوم ومعارف کے ترجمان، مخدوم مکرم مولانا سید محمد شاہد الحسنی نے ایک مبسوط مضمون قلمبند فرمایا ہے، مضمون: صاحب مضمون کے علمی ومطالعاتی زندگی کی ایک ایسی روداد ہے جس میں قارئین کرام کو مستند تاریخی احوال بھی ملیں گے اور خاص طور سے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے علمی وروحانی انوار وبرکات نے اس مضمون کو جو تقدس عطا کردیا ہے اس سے بھی مستفیض ہوئے بغیر نہیں رہیں گے، پڑھنے والوں کے لئے یقینا یہ مشعلِ راہِ عمل ہے۔

مرتب ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

قابل احترام جناب ابن الحسن عباسی صاحب مدیر اعلیٰ ماہنامہ النخیل کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ یہ احقر بھی بفضلہ تعالیٰ بعافیت ہے۔

ماہ اکتوبر ۲۰۱۹ء کے آخر میں جناب کا گرامی نامہ ای میل پر موصول ہوا تھا، حسن تقدیر سے یہ ماہ میرے لیے بہت مشغولیت کا رہا۔ چنانچہ اس ماہ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی مجلس شوریٰ سرپرستان کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا، یہ تو جناب کے علم میں ہے کہ جامعہ کے اراکین شوریٰ جو کم وبیش پندرہ حضرات ہیں، تواریخ متعینہ پر پورے ہندوستان سے تشریف لاکر مظاہر علوم کے تعلیمی، اخلاقی اور مالیاتی اور تعمیراتی احوال و کوائف سے واقفیت حاصل کرتے ہیں اور ان تمام امور کے لیے اس احقر کو بحیثیت سکریٹری (امین عام) مختلف انواع سے تیاریاں کرنی پڑتی ہیں۔ ایجنڈہ تیار کرنے کے ساتھ ساتھ گوشوارے اور رپورٹیں مرتب کرنی اور کرانی پڑتی ہیں۔

بہرکیف ۲۷/ اکتوبر میں شوریٰ کا یہ اجلاس پورا ہوا تو ۲۸/اکتوبر کو میری ایک کتاب ''تحریک آزادئ ہند اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور'' کا افتتاح طے تھا اور جس کے لیے یہ احقر تقریباً گذشتہ تین ماہ سے مصروف عمل تھا، کتاب کی اہمیت اور جامعہ مظاہر علوم کی شہرت و آفاقیت کی وجہ سے بلا مبالغہ سینکڑوں اہل علم، ذمہ دارانِ مدارس اور خواص کو دعوت نامے بھیجنے اور ان سے رابطے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف قومی وملی جماعتوں اور سیاسی تنظیموں کے سربرآوردگان کو بھی بطور خاص مدعو کیا گیا تھا۔ نیز ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر برادران وطن (غیر مسلم ہندو، دلت، سکھ اور عیسائی بھائیوں) کو بھی دعوت نامے بھیجے گئے تھے۔ اس کا تو یقینا جناب کو اندازہ ہوگا کہ ایسے مختلف الاستعداد اور متفرق الالوان کی شخصیتوں کی پذیرائی اور مہمانی کے لیے دل ودماغ کو کتنا کام کرنا پڑا ہوگا۔ اور پھر حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی (صدر جمعیۃ علماء ہند) کی صدارت کی وجہ سے اس پروگرام کا درجہ حرارت اقتدار اعلیٰ کی نگاہ میں بھی کچھ زیادہ ہی ہوگیا تھا۔

بہر حال اللہ جل شانہ کے فضل وکرم اور ان کی مدد خاص سے اجلاس کا افتتاح و اختتام جملہ

مہمانوں کے قیام وطعام کا نظم وانتظام بہت حسن وخوبی کے ساتھ ہوا۔

اس کے بعد کے تیسرے مرحلہ میں یہ احقر ۲۹ر اکتوبر کی شام کو اجتماع رائے ونڈ میں شرکت کے لیے لاہور روانہ ہوگیا۔ وہاں ہفتہ عشرہ کے قیام میں طبیعت ایسی علیل اور مضمحل رہی کہ بار بار ڈاکٹروں اور ہسپتال آنا اور جانا پڑا۔ اللہ جزائے خیر دے محسنین اور مخلصین خصوصاً عالی جناب حضرت الحاج حافظ صغیر احمد لاہوری اور ان کے فرزند گرامی عزیز مولوی مفتی انیس احمد مظاہری سلمہ کو کہ انہوں نے پورے پورے طور پر تیمارداری کا حق ادا کیا۔

پاکستان سے واپسی پر علالت طبع میں مزید اضافہ ہوا اور پھر یہاں بھی مختلف انداز سے علاج و معالجے چلتے رہے، لیکن ان سب کے باوجود ایک دن کے لیے بھی مشق سخن کے ساتھ ساتھ چکی کی مشقت نہیں رک سکی۔

جنوری ۲۰۲۰ء کا پورا مہینہ مختلف پروگراموں کے سلسلہ میں ہندوستان کے تین بڑے صوبوں آندھرا پردیش، ٹامل ناڈو اور کرناٹک میں گذرا۔ جن اہل تعلق کی خواہش پر ان تمام صوبوں کے سفر ہوئے انہوں نے خوب ضیافت کی اور خوب وصول بھی کیا۔

اب آج کل یہ احقر حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کی شخصیت پر لکھنے میں مصروف ہے۔ اور اسی مصروفیت کے دوران جناب کے گرامی نامہ کا جواب تحریر کررہا ہے۔ اب جناب والا کو اختیار ہے کہ مذکورہ بالا سطور کے ذریعہ احقر کی مصروفیت ومشغولیت کا اندازہ فرمالیں۔ یا میری نااہلیت کی دلیل سمجھ کر میرے بے حقیقت اور بے حیثیت ہونے کا فیصلہ فرمالیں۔

اب اس وضاحت کے بعد جناب والا کے گرامی نامہ اور اس میں شامل سوالنامے کے جوابات پیش کرتا ہوں اور یہ بدیہی بات ہے کہ ''ماہنامہ النخیل'' کی اس بزم ارجمندان میں میرے جوابات کی حیثیت اور قیمت صرف اتنی ہوگی جتنی کہ سیدنا یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کی خریداری میں ایک بڑھیا کی تھی۔

☆☆☆☆☆

(۱) سوال اوّل میں آپ نے ذوق مطالعہ کے متعلق دریافت کیا ہے کہ وہ کب پیدا ہوا؟

جواباً نگارش ہے کہ الحمدللہ مجھے لکھنے پڑھنے کا ذوق مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا

مہاجر مدنیؒ کی توجہات عالیہ سے آغاز تعلیم میں ہی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ گلستاں، بوستاں اور مفید الطالبین جیسی فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابوں کے اسباق اور ان کی تشریحات بڑے اہتمام سے یہ احقر سپرد قلم کیا کرتا تھا اور جو آج تک میرے ذخیرے میں محفوظ ہیں۔

☆ جہاں تک لکھنے پڑھنے کے آغاز اور نشو ونما کا تعلق ہے اس سلسلہ میں ایک واقعہ سپرد قلم کرتا ہوں یہ بظاہر تو صرف ایک واقعہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ نہ صرف میری قلب ماہیت ہوئی بلکہ دل و دماغ پر بھی ایک ایسا ان دیکھا تصرف کیا گیا جس کے اثرات وثمرات آج نصف صدی گذرنے کے بعد بھی اسی طرح قائم اور باقی ہیں جیسا کہ نصف صدی قبل عین واقعہ کے وقت موجود تھے۔

تفصیلات اس کی یہ ہیں کہ میں جب عربی کتابوں کا طالب علم تھا تو میرے محلہ کے ہم سبق ساتھیوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں اُس جعلی اور فرضی وصیت نامے کی تردید میں کچھ لکھوں جس کا اُس زمانہ میں بڑا چرچا اور شہرہ تھا۔ چنانچہ بندہ نے ''جعلی وصیت نامہ'' کے عنوان سے آٹھ صفحہ کا ایک کتابچہ مرتب کیا، اور یہ میرے لکھنے پڑھنے کی دنیا میں داخل ہونے کا سب سے پہلا ذریعہ بنا۔ کتابچہ شائع کرنے والے اس کے متعدد نسخے حضرت شیخؒ کی خدمت میں لے کر آئے۔ عصر بعد کی عمومی مجلس تھی جس میں روزانہ مظاہر علوم کے تمام اکابر اساتذہ اور عوام وخواص شریک ہوتے تھے، دورانِ گفتگو جب حضرت شیخؒ کو معلوم ہوا کہ یہ کتابچہ شاہد کا مرتب کردہ ہے تو چہرہ کا رنگ بدل کر غصہ سے سرخ ہو گیا میں اس وقت مجلس میں ہی موجود تھا اور اس وقت میری عمر بائیس سال کی تھی۔ حضرت شیخؒ نے بلا کسی رو رعایت کے سب کے سامنے ایسی سختی کے ساتھ مجھے ڈانٹا اور اظہار غیظ وغضب فرمایا کہ بلا مبالغہ میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اذان مغرب پر مجلس ختم ہوئی۔ حضرت نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے مسجد تشریف لے گئے اور واپس آکر مجھے بلا کر بڑی محبت بھرے لہجہ میں فرمایا کہ ''میں نے تجھے اس لیے ڈانٹا کہ تو نے اپنا یہ مضمون اپنے کسی بڑے کو کیوں نہیں دکھلایا۔ اگر اس میں کوئی غلط اور خلاف واقعہ بات تیرے قلم سے نکل جاتی تو تجھے کتنا گناہ ملتا۔ آئندہ سے میری نصیحت یاد رکھنا جب بھی کچھ لکھو اپنے کسی بڑے کو ضرور دکھلا لینا''۔

اگلے دن حضرتؒ اپنے دار التصنیف تشریف لے گئے تو خادم کے ذریعہ مجھے طلب کیا، اپنے بچپن

اور ناسمجھی کی وجہ سے مجھے خیال ہوا کہ شاید ابھی کچھ اور ڈانٹ ڈپٹ باقی ہے اس کے لیے بلایا جارہا ہے، میں ڈرتا ہوا اور سہما ہوا اوپر دارالتصنیف میں پہنچا تو بڑی محبت وشفقت کا معاملہ فرما کر دو کتابیں مجھے مرحمت فرمائیں، جن میں پہلی کتاب حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی کی امام اعظم اور علم الحدیث اور دوسری حضرت مولانا سید زوار حسین کی تالیف عمدۃ الفقہ تھی، قریبی زمانہ میں یہ دونوں کتابیں حضرت کے پاس آئی تھیں۔اوران دونوں کے ساتھ ساتھ ایک بڑا قیمتی اورخوبصورت قلم جواس زمانہ کی مشہور کمپنی ’’پارکر‘‘ کا تھا مجھے مرحمت فرمایا۔

مجھے آج بھی اس کا یقین کامل حاصل ہے کہ اس وقت کے مرحمت فرمودہ قلم کی برکات اور تصرفات مجھے آج بھی حاصل ہیں۔اس لیے کہ اس ناچیز کے قلم کوایک ایسے مردِحق آگاہ اور مرشد کامل سے نسبت تھی جس نے اپنی توجہات روحانیہ سے ذروں کو آفتاب و ماہتاب بنایا تھا اور اپنی قوت باطنہ سے خاک کے ذروں کو وسعت افلاک عطا کی تھی، یہ ہی وجہ ہے کہ میرے احباب ہی نہیں بلکہ اچھے اچھے مشائخ اور خواص مجھ سے بارہا یہ سوال کر چکے کہ تیری ۲۴ رگھنٹہ کی مشغولیت ہمارے علم میں ہے پھر تو بھلا آخر کس وقت لکھتا اور کس وقت پڑھتا ہے، میں کبھی کبھی ایسے حضرات کو فارسی کا یہ شعر سنا کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہوں ؎

کارِ زلف تُست مشک افشانی اماں عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

میرا تصنیف وتالیف کی دنیا میں آنے کا باقاعدہ اور باضابطہ ذریعہ اور سبب حضرت شیخؒ کی دو ناقص ونا تمام کتابیں تاریخ مظاہر اور تاریخ مشائخ چشت ہیں جس کی شکل یہ ہوئی کہ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں فراغت علم کے بعد ایک روز حضرت شیخؒ نے مجھے طلب کر کے فرمایا کہ میں نے ۱۳۴۵ھ میں مظاہرعلوم سے فراغت کے بعد یہ دو کتابیں (تاریخ مظاہر، تاریخ مشائخ چشت) لکھنی شروع کی تھیں لیکن پھر بعد میں اوجز المسالک، اور لامع الدراری وغیرہ شروع کردینے کی وجہ سے یہ دونوں ناقص رہ گئیں، اب تو ان کی تکمیل کردے۔ چنانچہ احقر نے اس کو اپنی سعادت سمجھ کر بلکہ ایک طرح سے نیک فالی مان کر کہ حضرتؒ کی تصنیف وتالیف کا آغاز بھی ان ہی دو کتابوں سے ہوا تھا، اور آج ایک طویل

عرصہ گذر جانے کے بعد میری تصنیف وتالیف کا آغاز بھی ان ہی دو کتابوں کی تکمیل سے ہو رہا ہے، دونوں کتابوں کے مخطوطہ (مسودہ) پر کام کرنا شروع کر دیا۔

حضرتؒ نے ترتیب اس کی یہ قائم کی تھی کہ یہ احقر پورے ہفتہ ان کتابوں کی تکمیل کرتا ان کی بیاضوں کو مکمل کرتا اور ہر آٹھویں دن یعنی جمعہ کی صبح حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی اور خود حضرت شیخ کی موجودگی میں اپنے لکھے ہوئے مضامین اور اضافوں کو سناتا تھا اور جس مضمون کو یہ حضرات چاہتے باقی رکھ کر بقیہ کو قلم زد کر دیتے، اس طرح ہر جمعہ کی یہ مجلس علمی ایک طویل عرصہ تک قائم رہی، گاہ بگاہ اس مجلس میں مولانا محمد یونس جون پوری، مولانا محمد عاقل اور مولانا محمد سلمان بھی شریک رہے، اس موقعہ پر دس بجے کے قریب حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کا شرکاءِ مجلس کے لیے کھانے پینے کی کچھ ہلکی پھلکی چیزیں لانے کا بھی معمول تھا۔

ابھی میری عمر سترہ، اٹھارہ سال تھی اور جامعہ مظاہر علوم کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میری تعلیم جاری تھی کہ مجھے منجانب اللہ یہ شوق اور جذبہ پیدا ہوا کہ مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کی بخاری شریف کے درس کی تقریر مرتب کروں۔ اس وقت میری عمر میرا علم ومطالعہ میرا تجربہ بلکہ میری فہم وفراست کوئی بھی چیز اس شوق کا ساتھ نہیں دے رہی تھی بلکہ اس وقت مجھ پر کیاپدّی اور کیاپدّی کا شوربہ والی کہاوت سوفیصد صادق آرہی تھی۔ جو سنتا تھا وہ حیرت کرتا تھا کہ یہ علم وعمل سے نابلد فن حدیث سے تہی دامن ایک محدث شہیر اور شیخ وقت کے پچاس سالہ علوم کو سمیٹ کر تقریر بخاری شریف کو کیسے مرتب کرسکتا ہے، لیکن اِن کہنے سننے والوں کو اُس نادیدہ ہاتھ کی گرمی محسوس نہیں ہو رہی تھی جو ایک ولی کامل کی جانب سے میری پشت پر رکھا ہوا تھا اور جس کے ذریعہ سے ایک نااہل اور ناکارہ اپنے جسم وجان میں بے انتہا طاقت اور قوت محسوس کر رہا تھا۔

اس کشاکشی اور کشمکش کے عالم میں اس احقر نے حضرت شیخ کی بخاری شریف کو مرتب کرنا شروع کر دیا جس کی شکل یہ اختیار کی گئی کہ تلامذہ حضرت شیخ میں مولانا محمد یونس جون پوری، مولانا احسان الحق لاہوری اور مولانا محمد سلمان سہارنپوری کی تین الگ الگ سالوں کی تقریروں کو سامنے رکھ کر ایک چوتھا مجموعہ مرتب کیا گیا۔ یہ ایک ایسا تجربہ تھا جو ایک ناتجربہ کار کے ہاتھوں وجود میں آرہا تھا کیونکہ اس زمانہ کے بڑے

بڑے اہل قلم فضلاء، بڑے بڑے علماء کی بخاری شریف کی تقریریں مرتب کررہے تھے۔

اللہ جل شانہ کے بے انتہا فضل وکرم اور حضرت شیخؒ کی دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعاؤں اور عمیق توجہات کی برکت سے کئی سالہ محنت کے بعد بخاری شریف کا یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اور ۱۳۹۲ھ میں اس کی جلد اوّل شائع ہوئی اور آج ہندوستان وپاکستان کے متعدد اداروں سے بلا مبالغہ یہ لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوکر میرے لیے صدقۂ جاریہ بنی ہوئی ہے۔

اس کتاب پر حضرت شیخؒ کے حکم سے حضرت مولانا تقی الدین ندوی زادمجدہ کا ایک قیمتی مقدمہ بھی ہے، اس وقت مولانا موصوف کا قیام حضرت شیخؒ کے علوم ومعارف کی ترتیب وتدوین کے سلسلہ میں سہارنپور ہی میں تھا، اور وہ اس زمانہ میں اپنے تمام تر مجاہدات اور قربانیوں بلکہ فقر وغنا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ساتھ فضل وکمال اور علم وعمل کے ابتدائی دور میں تھے جب کہ آج وہ حضرت شیخؒ کی توجات عالیہ ان کی دعاؤں اور ان کی منشا کے مطابق اپنے اشتغال بالحدیث کی وجہ سے کہیں سے کہیں پرواز کرگئے ہیں۔ آج حضرت مولانا موصوف کا وہ ابتدائی دور یاد آجانے پر بے اختیار میرے نوکِ قلم پر فارسی کا ایک شعر آگیا جو نذرِ قارئین ہے ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بصحرا رفت ما، در کوچہ ہا رسوا شدیم

میری تصنیف وتالیف کے حوالہ سے حضرتؒ کی حسنِ تربیت کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ اس احقر نے ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۸ء میں حضرت والا کے علمی اور حدیثی خطوط کا مجموعہ ''مکتوبات علمیہ'' کے نام سے مرتب کرکے شائع کیا بعد میں اینچ، ایم سعید کمپنی کراچی نے یہ کتاب اپنے یہاں سے شائع کی کچھ عرصہ بعد حضرت شیخؒ کی معیت میں یہ احقر کراچی پہنچا مکی مسجد تبلیغی مرکز میں قیام تھا وہاں کمپنی کے مالک (جن کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں آرہا ہے لیکن صورت وشکل اور حلیہ خوب یاد ہے اکہرا قد، سفید کھلتا ہوا چہرہ، اور اس پر باوقار نورانی داڑھی) مکتوبات علمیہ کے کچھ نسخے لے کر آئے اور انہوں نے حضرتؒ کی موجودگی میں مجھے دیئے۔

حضرتؒ کو یہ خیال ہوا کہ میں نے شاید اس کی طباعت واشاعت کے معاملہ میں کوئی بات چیت مالی

نفع یا رائیلٹی کے تعلق سے کررکھی ہے، یہ خیال آتے ہی حضرت نے مجھے ان کی موجودگی میں خوب ڈانٹا، ڈانٹ اتنی سخت تھی کہ وہ بھی گھبرا کر فوراً کمرہ سے باہر چلے گئے، جب حضرتؒ کا غصہ ختم ہوا تو میں نے انتہائی سادگی کے ساتھ دریافت کرلیا کہ آپ کو کس بات پر ناگواری ہوئی؟ جواب میں فرمایا کہ تونے ان کے ساتھ کوئی معاملہ کیا ہے؟ میں نے بے ساختہ طور پر جواب دیا کہ حضرت میرے تو فرشتوں کو بھی اس معاملہ کی خبر نہیں ہے۔ اور میں نے کوئی معاملہ ان کے ساتھ روپئے پیسے کے لین دین کا طے نہیں کیا، اس پر حضرتؒ نے شفقت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ پھر تونے مجھ سے کیوں نہیں بتلایا، میں نے بہت ہنستے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آپ نے موقعہ ہی کب دیا اس پر حضرتؒ مسکرا کر خاموش ہوگئے۔

اس کتاب کی ترتیب کے دوران حسن تقدیر سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سہارنپور تشریف لائے حضرتؒ نے میری اس کتاب کا مسودہ حضرت موصوف کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، علی میاں ہمارے شاہد نے، میرے خطوط کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے اس کو دیکھ کر تم اس پر کچھ لکھ دو، چنانچہ علی میاں نے تعمیل ارشاد میں اس پر اپنا ایک وقیع، عالمانہ مقدمہ تحریر فرمایا۔

اللہ کا فضل و کرم ہے کہ پچاس سال پہلے پڑنے والی اس ڈانٹ ڈپٹ کا اثر یہ ہے کہ میں نے آج تک ہندوستان و پاکستان وغیرہ بہت سی جگہوں سے شائع ہونے والی کتابوں پر نہ کوئی نفع لیا نہ کسی سے رقم کا لین دین کیا، نہ کتابوں کے حقوق طبع محفوظ کئے اور نہ ہی ان کی رجسٹری کرائی، بلکہ حضرت شیخ کی طرح سب کو ان کی طباعت واشاعت کی عام اجازت دے رکھی ہے اور خلق خدا اُن کے ذریعہ دینی نفع بھی اٹھارہی ہے اور دنیاوی فائدہ بھی۔

آپ کے سوال میں جہاں تک خاندانی نظام تربیت کا اثر ہے تو بفضلہٖ تعالیٰ میرے ننھیال کی طرح میری ددھیال بھی ہمیشہ علم اور مطالعہ سے جڑی رہی، پڑھنا پڑھانا ان کا بھی محبوب مشغلہ تھا، اور رہے میرے خاندانی بزرگ انتہائی نستعلیق اور خوش خط تھے بہترین اور پاکیزہ تحریروں میں آج تک ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں مخطوطات اور نوادرات کی شکل میں محفوظ ہیں۔

میرے جد امجد حضرت مولانا حکیم سید محمد ایوب سہارنپوری جامعہ مظاہر علوم کے فارغ حضرت شیخ اوران کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ کے منظور نظر تھے، مظاہر علوم سے فراغت کے بعد انہوں نے

خدمت خلق کے لیے فن طب کو اور خدمت حدیث شریف کے لیے مشہور و معروف کتاب طحاوی شریف کو اپنی محنت کا موضوع اور میدان بنالیا تھا، انہوں نے مختلف زاویوں سے فقہ حنفی کی مشہور کتاب طحاوی شریف کی خدمت کی اور ان کی ان خدمات جلیلہ کو عالم اسلام کے مشہور محدث، فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ، فضیلۃ الشیخ محمد بن محمد عوامہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نے ہمیشہ نہ صرف سراہا بلکہ بلند الفاظ میں ان خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

(۲) سوال دوم میں آپ نے ان شخصیتوں کے متعلق دریافت کیا جو میرے ذوق مطالعہ میں معاون ہوئیں۔

اس سلسلہ میں یہ احقر ہمیشہ مادر علمی جامعہ مظاہر علوم کا زیر بار احسان رہے گا کہ اس کی چہار دیواری میں رہ کر اور بڑھ کر مجھے مطالعہ کا ذوق ملا، اس احقر نے جامعہ کے زمانہ تعلیم کے شروعاتی دور میں مجلس ہدایت الرشید سے اپنا رابطہ قائم کرلیا تھا، یہ ایک ایسی انجمن تھی جو جامعہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے نام نامی پر ۱۳۳۰ھ میں قائم ہوئی تھی اور اس میں تمام فرقہ باطلہ، فرقہ ضالہ اور اسلام و مسلمین کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کا مؤثر توڑ کرنے کے لیے ہر طرح کا لٹریچر موجود تھا، ہر جمعرات میں اس انجمن کا ہفتہ واری پروگرام ہوا کرتا تھا، جس میں یہ احقر بھی اپنی بساط بھر علمی تیاری کے ساتھ نہ صرف شریک ہوتا بلکہ ایک فریق کی حیثیت سے مدعی اور مناظر بن کر مناظرے بھی کیا کرتا تھا۔

جامعہ میں حصول تعلیم کے دوران ہم چار پانچ منتخب اور چیدہ لوگوں کی ایک مطالعاتی مجلس تھی اور ہمارا کام یہی تھا کہ بہتر سے بہتر کتابیں منگواتے ان کا مطالعہ کرتے اور پھر ان پر رائے زنی یا آج کل کے مہذب الفاظ میں تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔

ان منتخب چیدہ لوگوں میں مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلوی، مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، مولانا وسیم احمد گنگوہی، مولانا حبیب اللہ چمپارنی مقیم مدینہ منورہ شامل تھے۔

جس زمانے کا یہ تذکرہ ہے اس زمانے میں صالح اور سنجیدہ مطالعہ کے بجائے ہر رطب و یابس کے پڑھنے کا ذوق تھا، کتاب نام کی کوئی چیز بس ہاتھ میں آجائے تو اس کو پڑھے بغیر نہیں رہتا تھا،

لیکن اب تو اللہ کے فضل و کرم سے سالہا سال سے اپنے اکابر و مشائخ کے علوم اور معارف ہی پسندیدہ موضوعات ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دوسرے موضوعات یا دیگر مصنفین کی کوئی تنقیص یا تحقیر خیالات و احساسات میں موجود ہو۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، علامہ اقبال، مرزا غالب، شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی وغیرہ کی نامعلوم کتنی کتابیں ذوق وشوق کے ساتھ مطالعہ کیں۔

پسندیدہ موضوعات میں اکابر و مشائخ کی تصنیفات و تالیفات کی طرف رجحان بھی مخدومنا حضرت شیخ کی حسن عنایت سے پیدا ہوا وہ اس طرح کہ جامعہ مظاہر علوم سے فراغت اور تکمیل صحاح ستہ کے بعد حضرتؒ نے مجھے مامور فرمایا کہ میں عصر سے مغرب تک کی ہونے والی ان کی مجلس میں کوئی نہ کوئی کتاب سنایا کروں۔ اردو زبان پر قدرت لب ولہجہ کی صفائی اور ستھرائی کی وجہ سے میں بہت بے تکلف روانی کے ساتھ بلند آواز سے کتاب سناتا اور ہر طرف سے ماشاء اللہ تبارک اللہ کی آوازیں سن سن کر داد تحسین وصول کیا کرتا تھا۔ میرے خیال میں اس دور کے تمام ہی اکابر و مشائخ اور علماء وصلحاء نے ان مجلسوں میں شرکت کی ہے۔ اس مجلس کے لیے حضرتؒ مختلف موضوعات پر مختلف مصنفین کی کتابیں سنانے کے لیے مرحمت فرمایا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کتاب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی مرتب کردہ ''ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس'' تھی اور پھر تو بلا مبالغہ سالہا سال تک درجنوں کتابیں سنائی گئیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جیسے جلیل القدر صاحب قلم اور حاملِ فضل و کمال کی آسان اور سلیس زبان میں تحریر کردہ کتابیں سنانے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی کلیات امدادیہ (غذائے روح، فیصلہ ہفت مسئلہ وغیرہ) قاسم العلوم حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی تحذیر الناس، قبلہ نما، آب حیات، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کی البدائع، التکشف عن مہمات التصوف جیسی دقیق اور ٹھوس علمی کتابیں بھی عوام اور خواص کے مجمع میں سنائیں۔

حضرتؒ کا معمول تھا کہ جس دن جو کتاب ختم ہوتی اسی وقت یہ کہہ کر مجھے مرحمت فرمادیتے کہ یہ تیرے لیے ہدیہ ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کی بہت سی کتابیں آج بھی بطور یادگار میری لائبریری میں محفوظ

ہیں۔اسی زمانہ میں مولانا عبدالرشید ارشد مرحوم کی کتاب بیس بڑے مسلمان بھی عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت کوسنائی اور وہ آج بھی حضرتؒ کے عطیہ کے طور پر میرے پاس محفوظ ہے۔

(۳) سوال سوم میں پسندیدہ مصنفین اور پسندیدہ کتابیں دریافت کی گئیں ہیں، اس سلسلہ میں زندگی بھر میرا معمول خذ ماصفاودع ماکدر کا رہا ہے، افسانہ نگاری، کالم نگاری اور طنز نگاری کا مجھے کبھی شوق نہیں ہوا۔

البتہ تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بغیر میری کسی حیثیت اور اہلیت کے زبان اور بیان پر بڑی قدرت عطا فرمائی ہے کہ میں بے تکلف شعور یا لاشعوری طور پر ان حدود تک پہنچ جاتا ہوں جہاں سے ادب لطیف اور انشاء پردازی شروع ہوجاتی ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ زندگی بھر میری تحریروں کو بڑے اہتمام کے ساتھ نہ صرف سنتے بلکہ ناقدانہ طور پر ان کو پرکھتے بھی تھے۔اور کہیں ذراسی تنقیص یا تحقیر یا ضرورت سے زیادہ تحریری جمالیت یا بالفاظ دیگر لفاظیت اور مصنوعیت کو محسوس کرتے تو فوراً گرفت فرماتے۔

میں اسی سلسلہ کے دو واقعے عرض کرتا ہوں، جن کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب میں حضرت شیخؒ کے ساتھ دس سال تک شب وروز مدینہ منورہ میں بحیثیت خادم وکاتب ساتھ رہا، وہاں کے زمانۂ قیام میں پہلا واقعہ یہ ہوا کہ مجھے حضرتؒ نے حکم دیا کہ مظاہرعلوم کی خدمات حدیث پر لکھ کر کوئی مضمون میرے پاس لاؤ، چنانچہ بندہ نے تعمیل ارشاد میں تاریخی آثار پر مشتمل مضمون لکھا اور اپنی ناسمجھی بلکہ حماقت سے مضمون میں ایک جگہ خدمتِ حدیث کے معاملہ میں مظاہرعلوم کا تفوق اور اس کی برتری دارالعلوم دیوبند پر ثابت کی، حضرتؒ کے چہرہ پر وہ جملے سن کر ناگواری دوڑ گئی اور تیز لہجہ میں فرمایا آئندہ کبھی مظاہرعلوم کا تفوق دارالعلوم پر ثابت مت کرنا اور یہ کہہ کر وہ پورا جملہ میرے مضمون سے نکلوادیا۔

اس ڈانٹ ڈپٹ کا آج تک یہ اثر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی عظمت کا نقش دل ودماغ پر قائم ودائم ہے اور اس کے لیے دعائے خیر سے کبھی غافل نہیں رہتا اور جب کوئی دارالعلوم کے متعلق منفی خیالات کا اظہار کرتا ہے تو طبیعت سخت متاثر ہوتی ہے۔

ایسے ہی دوسرا واقعہ مدینہ منور کے زمانۂ قیام میں تحریری جمالیت یا لفاظی اور مصنوعیت کے حوالہ سے یہ ہے کہ مجھے حضرتؒ نے فتاویٰ خلیلیہ پر مقدمہ لکھنے کے لیے مدینہ منورہ سے ہندوستان بھیجا جب

میں نے آپ سے رخصتی مصافحہ اور معانقہ کیا (اور جو اس عالم آب وگل میں آخری مصافحہ، آخری معانقہ اور آخری زیارت تھی) تب ایسے اہم اور نازک موقعہ پر مجھے حضرتؒ نے نہ تو معمولات کی پابندی کی تاکید فرمائی نہ اوراد و وظائف کے اہتمام پر زور دیا، نہ سلوک و احسان کے رموز و اسرار بتلائے اگر نصیحت فرمائی تو یہ فرمائی کہ:

''پیارے اپنی تحریروں میں پرانے الفاظ لانا کہ اس میں اللہ نے بڑی خیر و برکت رکھی ہے''۔

یہ نصیحت فرما کر معانقہ کرتے ہوئے رخصت کر دیا۔

(۴) سوال چہارم میں مطالعہ کے اوقات، اس کی رفتار اور دورانِ سفر کے مطالعہ کے متعلق معلوم کیا گیا ہے۔

عام طور پر مطالعہ کے اوقات بطور خاص متعین نہیں ہیں جیسا موقعہ ہوتا ہے کرلیا جاتا ہے، رفتار مطالعہ بھی کوئی طے شدہ نہیں ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ مطالعہ کے دوران کوئی خاص چیز نوٹ کرنے کے لائق یا قابل حفاظت ہوتی ہے تو اس کو کتاب کے شروع میں یادداشت کے طور پر ضرور لکھ لیتا ہوں۔ یا پھر العلم صید والکتابت قید کے اصول وضابطہ کے مطابق کاپی میں نوٹ کرلیتا ہوں۔

آپ نے دوران سفر مطالعہ کے بارے میں دریافت کیا مجھے اس پر بے اختیار اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا اور وہی آپ کے سوال کا جواب بھی ہے، میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا اور حضرت ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی نصیحت یا گُر کی بات ارشاد فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہمان خانہ میں حضرت کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً حضرت نے مجھ سے سوال کرلیا کہ مولوی شاہد کیا تمہارے کمرہ میں ٹیلی فون ہے؟ میں نے عرض کیا جی حضرت ہے، فرمایا لکھنے پڑھنے والے آدمی کے کمرہ میں ٹیلی فون کا کیا کام مضمون کی آمد ہورہی ہو اور قلم چل رہا ہو دفعتاً فون کی گھنٹی بجتی ہے تو سب ختم ہوجاتا ہے۔

میں نے ہنس کر جواب دیا کہ حضرت میں تو ریلوے اسٹیشن پر بیٹھ کر لکھنے کا عادی ہوں چونکہ کثیر الاسفار ہوں، اسٹیشن پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ گاڑی دو گھنٹہ لیٹ ہے تو وہیں اپنی جانماز بچھا کر لکھنے پڑھنے لگتا ہوں، تو اس پر حضرت نے بہت زور سے ماشاء اللہ کہہ کر فرمایا کہ پھر تمہارے کمرہ میں ٹیلی

فون سے کوئی حرج نہیں اور آج بھی واقعہ یہی ہے کہ مجھے حضر میں مطالعہ کا اتنا وقت نہیں ملتا جتنا وقت دورانِ سفر یا ٹرین میں ملجاتا ہے، کتابیں منتخب کر کے سامان سفر میں رکھتا رہتا ہوں تا کہ ٹرین کے سفر میں اطمینان سے پڑھ سکوں۔

میرے لکھنے پڑھنے اور علم و مطالعہ کے اس خداداد ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے اپنی وفات سے کئی سال قبل حضرت شیخ نے اپنی برسوں کی محنت اور جد و جہد سے حاصل شدہ ذاتی کتب خانہ (دارالتصنیف) اپنی تمام تالیفات کے مسودات، اکابر و مشائخ کے ہزاروں خطوط درجنوں ڈائریاں اپنے آخری پچاس سالہ دورِ حیات کے روزنامچے، تاریخ کبیر غیر مطبوعہ تالیفات کے مسودات سب یہ کہہ کر اس احقر کے حوالہ کر دیئے تھے کہ یہ شاہد کے پاس رہیں گے اور جو آج بھی الحمدللہ ان سطور کی تحریر تک میرے پاس محفوظ و موجود ہیں۔ اور ان کی طباعت واشاعت کا سلسلہ کسی نہ کسی حیثیت اور کسی نہ کسی عنوان سے جاری ہے، اس سلسلہ میں الحمدللہ بندہ نے اہل علم کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لگا کر اور ان کو تمام مراعات ومشاہرات دے کر بہت سی غیر مطبوعہ کتابیں (مخطوطات) تحقیقات وتعلیقات و تشریحات کے بعد شائع بھی کرادی ہیں۔ خود اس کم سواد کی تصنیفات تالیفات تقریباً پچاس کا عدد پار کر چکیں ہیں جن میں ۲۰ر کتابیں تو صرف مخدومنا حضرت شیخ کی حیات اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ہیں اسی طرح کم وبیش پندرہ کتابیں بندہ نے اپنی مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی علمی تاریخ اور ان کی خدمات پر لکھی ہیں، اس سلسلہ کی اب آخری کتاب ''تحریک آزادی ہند اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور'' ہے جو چار جلدوں میں چودہ سو صفحات پر آچکی ہے۔ اور حال ہی میں مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ لاہور بھی اس کو شائع کر چکا ہے۔

اس ضمن میں مجھے بروقت یہ واقعہ یاد آیا کہ میں نے حضرت شیخ کی حیات میں ایک کتاب ''جامعہ مظاہر علوم، اہل کمال کی نظر میں'' مرتب کر کے شائع کی تھی یہ کتاب بہت دیدہ زیب خوبصورت اور بہترین ٹائیٹل اور عمدہ کاغذ کے ساتھ شائع کی گئی تھی، ہر صفحہ پر اس کے لیے خوبصورت ڈیزائن بنائے گئے تھے، اشاعت کے بعد یہ جب میں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی خدمت میں پیش کی تو وہ اس کی چمک دمک دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور برجستہ فرمایا کہ مولوی شاہد تم نے ندوہ میں تو

کچھ پڑھا نہیں لیکن رگیں تمہارے اندر ندوہ کی ہیں،۔ حضرت موصوف کا یہ جملہ میں نے حضرت شیخ کو مدینہ منورہ اپنے خط میں تحریر کر دیا اس پر حضرت شیخ کا یہ جواب موصول ہوا تھا کہ علی میاں نے صحیح کہا تمہارے اندر کئی رگیں ندوہ کی ہیں، بعد ازاں حضرت شیخ نے اپنے کمال محبت سے اس کتاب کو مولانا محمد یوسف متالاؒ کی خدمت میں انگلینڈ بھیج کر وہاں سے اس کا انگریزی ایڈیشن شائع کرایا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

آخر میں بے تکلفانہ گذارش ہے کہ اگر احقر کا یہ مرتب کردہ مضمون جناب والا کے ذوق اور ماہنامہ النخیل کے معیار کے مطابق ہو اور اس میں قارئین النخیل کے لیے کوئی نفع اور فائدہ محسوس ہو تو شائع فرمادیں، ورنہ نظر انداز فرمادیں۔ احقر کو کوئی ناگواری نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ یہ مضمون ایسی مشغولیت کے عالم میں لکھا جارہا ہے کہ علالت طبع کے ساتھ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے روزمرہ کی مصروفیات اور پھر اس پر مزید یہ کہ دو یوم بعد ری یونین اور ماریشش کا سفر ہے۔

دعا فرمائیں اللہ جل شانہ سہولت اور آسانی مرحمت فرمائے آمین۔

اللہ ورسول سے سچی محبت کا تقاضا

عبدالرحمن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو آپ کے صحابہ وضو کا پانی لے لے کر (اپنے چہروں اور جسموں پر) ملنے لگے آپ نے فرمایا تم کو کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت! ان کا یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا: جس شخص کی یہ خوشی ہو، اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ ورسول سے حقیقی محبت ہو، یا یہ کہ اللہ ورسول اس سے محبت کریں تو اس کو چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے، اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو ادنی خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔

(بیہقی فی شعب الایمان ۲/۲۰۱)

خدماتِ مظاہر

جامعہ مظاہر علوم اور تحریکِ آزادیٔ ہند

پروفیسر اختر الواسع، نئی دہلی

ہماری آزادی کا ہر قصہ اس وقت تک ادھورا ہے جب تک ہم اپنے ان بزرگ علماء اور دانشوروں کو یاد نہ رکھیں جنہوں نے جان دے دی لیکن انگریزوں کے آگے سر نہ جھکایا۔ دہلی، میرٹھ، شاملی، لکھنؤ اور نہ جانے کن کن شہروں اور قصبوں میں ان لوگوں کی جرأت وہمت، غیرت وحمیت اور عزم وحوصلے کی تاریخ کے نقوش آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہمارے علماء نے سوچا کہ وہ وطنِ عزیز یعنی ہندوستان جنت نشان کو انگریزوں کی غلامی سے فی الحال نہیں روک پائے ہیں لیکن انہیں کم سے کم اپنے دین کو بچانے کی تدبیریں کرنی چاہئیں تاکہ اپنی نئی پیڑھیوں کو عیسائی مذہب کے بڑھتے ہوئے آسیب سے محفوظ رکھ سکیں۔ اسی جذبے کے تحت 30 مئی 1866ء کو دیوبند میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی۔

دیوبند میں اس پہل کے بعد تقریباً 36 کلومیٹر کے فاصلے پر سہارنپور میں صرف چھ مہینے بعد 1866ء میں ہی ایک نئے ادارے کی بنیاد رکھی گئی جس کو ہم اور آپ جامعہ مظاہر علوم کے نام سے جانتے ہیں۔ جس نے سب سے پہلے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور بعد ازاں مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور ان کے بعد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی رہنمائی میں علوم ربانی اور اسوہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ضیا پاشیوں سے ایسا نور پھیلایا کہ 150 سال سے زیادہ کے عرصے میں دنیا جہان میں آج وہاں سے اسناد فضیلت لے کر اسلام کی آفاقی تعلیمات کو پھیلانے والے فاضلین حقوق اللہ اور حقوق العباد تبلیغ وترویج اور اشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔

جامعہ مظاہر علوم کی مہتم بالشان تاریخ غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے جڑے ہوئے تمام اکابرین کی سرپرستی اسے ہمیشہ سے حاصل رہی ہے اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جس خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اس کے اکثر صاحبان علم وفضل اور رشد وہدایت کا تعلق کاندھلے ہی سے رہا ہے۔ جماعت تبلیغ جس کا شہرہ اس نفسا نفسی کے زمانے میں اپنی بے نفسی، ایثار

پیشگی، مسلمانوں کو سچا مسلمان بنانے اور خدا سے ان کے رشتوں مضبوط کرنے میں صَرف ہوتی ہے اس کے بانی اور بعد میں ان کے جانشین اسی ادارے کے فیض یافتگان میں سے رہے ہیں۔ ان میں آج کل ایک بڑا نام اپنی علمی فتوحات، دینی تبحر اور اخلاق کریمانہ کے لئے جامعہ مظاہر العلوم کے امینِ عام مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری کا ہے جو کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب کے نواسے ہیں۔ مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری کا وقت یا تو عبادت کرنے میں گزرتا ہے یا عبارت آرائی میں۔ وہ یا تو پڑھتے ہیں یا پھر لکھتے ہیں اور دین کے ہر ممکنہ موضوع پر ان کی تحریریں ہمارے دل و دماغ کو روشن کرتی ہیں اور صراط مستقیم پر چلنے میں معاون و مددگار ہوتی ہیں۔

ابھی کووڈ۔19 کی قہر سامانی سے کچھ پہلے مولانا شاہد صاحب کی ایک نہیں چار جلدوں میں تحریک آزادی ہند اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے عنوان سے کتابیں سامنے آئیں، ان کی رسمِ رونمائی بھی ایک بڑے جلسے میں مظاہر علوم کی عمارت میں ہوئی جس میں مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم سمیت دیگر علماء اور دانشور شامل ہوئے اور سب نے اس بات کا اعتراف کیا کہ تحریک آزادی ہند پر جو کچھ مولانا سید محمد شاہد صاحب نے ان چار جلدوں میں جمع کر دیا ہے اس سے ابھی تک ہم سب بھی پوری طرح واقف نہیں تھے۔ ان چار جلدوں میں تقریباً 122 رحضرات کے حالات اور آزادی ہند کے حصول کے لئے ان کی جدوجہد کا تذکرہ مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری کی قلم سے ہمیں پڑھنے کو تو ملتا ہی ہے ساتھ میں انہوں نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خاندان کی قربانیوں اور دیگر علماء کے مجاہدانہ عزائم پر بھی بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ جس سے کہ ہمیں اپنے اسلاف کے کارناموں، اداروں کی تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ وطن دوستی، انسان دوستی اور حصول آزادی کے لئے پیدا کی گئی تحریکیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت اور ضروری ہے کہ 1896ء میں سرسید کے قریبی ساتھی اور ان کے بعد ان کے جانشین نواب محسن الملک مظاہر علوم کے ذمہ داروں کی دعوت پر ادارے میں تشریف لائے اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شیخ الحدیث مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ، مولانا حافظ محمد احمدؒ، مہتمم دار العلوم دیوبند اور مولانا حکیم سید محمد اسحاق سہارنپوریؒ کی موجودگی میں جو سپاس نامہ پیش کیا گیا اس میں پُرزور لفظوں میں اس خیال کی تردید بھی کی گئی کہ ارباب مدرسہ اسلامیہ انگریزی تعلیم کو برا سمجھتے ہیں۔ اس طرح

سے اس الزام بلکہ اتہام کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ ہمارے علماء دین انگریزی تعلیم کے مخالف تھے۔ بلاشبہ ان کے یہاں ترتیب کی ادلا بدلی پر زور ہوسکتا ہے، دین اور دنیا کی تعلیم میں ترجیح کسے دی جائے اس پر ان کی رائے سرسید اور ان کے رفقاء سے الگ ہوسکتی ہے لیکن یہ کہنا کہ سارے کے سارے علماء کلّی طور پر انگریزی زبان اور جدید علوم کی تعلیم کے مخالف تھے، صحیح نہیں ہوگا۔

مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری نے جامعہ مظاہر علوم کے امین عام کی ذمہ داریوں کے ساتھ جو علمی و تحقیقی کام کئے ہیں وہ سب بھی بلا شبہ قابل قدر ہیں لیکن چار جلدوں میں ان کی یہ علمی اور تحقیقی کاوش ''تحریک آزادی ہند اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور'' اس اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں انہوں نے بغیر کسی عصبیت کے انتہائی علمی دیانت کے ساتھ خانوادہ شاہ ولی اللہ کی کوششوں اور اس کے بعد سے 1947ء تک جو دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سے وابستہ بزرگوں کا رول رہا ہے اس کو بلا کم و کاست بیان کر دیا ہے اور ان تمام لوگوں کے مجاہدانہ عزائم اور کارناموں سے ہمیں واقف کرایا ہے کہ اگر چار جلدوں میں یہ کتاب ہمارے سامنے نہ ہوتی تو ہم ان میں سے زیادہ تر کے ناموں سے بھی واقف نہ ہوتے۔

آخر میں یہ بھی کہتے چلیں تو غلط نہ ہوگا کہ جو کام یونیورسٹیوں کو کرنا چاہیے تھا وہ مدرسے کے ایک بوریہ نشین نے ممکن کر دکھایا۔ خدا مولانا شاہد صاحب کو اس کے لئے جزائے خیر عطا فرمائے۔

نوٹ: مضمون نگار جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر ایمریٹس (اسلامک اسٹڈیز) ہیں۔

ضروری اعلان

ماہنامہ مظاہر علوم کا سالانہ زر تعاون جو کئی سال سے صرف/150 (ایک سو پچاس روپئے) چلا آرہا ہے، کاغذ اور طباعت کی گرانی کے پیش نظر مجلس ادارت ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور کے مشورہ کے بعد ماہِ اپریل ۲۰۲۲ء سے اس میں اضافہ کر کے/300 (تین سو روپئے) سالانہ کر دیا گیا ہے۔

باب المسائل

فتاویٰ مظاہر علوم

مرتب : مفتی بشیر احمد سہارنپوری

سردی میں غسل کی جگہ تیمم

سردی کی وجہ سے غسل میں مشقت ہو، تو اس کی جگہ تیمم کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ گنجائش صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جن کو غسل کی وجہ سے مریض ہو جانے، یا مرض کے بڑھ جانے یا مرض کی طویل ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو، اور گرم پانی یا گرماہٹ حاصل کرنے کے اسباب بھی مہیا نہ ہوں، جن کو وضو یا غسل سے ایسا خطرہ نہ ہو یا اُن کے پاس گرم پانی یا گرماہٹ حاصل کرنے کے اسباب مہیا ہو اُن کو سردی کی وجہ سے تیمم کی اجازت نہیں ہے (درمختار و شامی نعمانیہ ا/۱۵۶)

مروجہ سوتی و نائلون کے موزوں پر مسح

چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور دیگر چیزوں کے بنے ہوئے موزوں میں بھی اگر چمڑے کے موزوں کی خصوصیات ہوں تو ان پر بھی مسح کی گنجائش ہے، چمڑے کے موزوں کی خصوصیات یہ ہیں:

ا۔ ان پر مسح کرنے کی صورت میں اندر پیروں تک پانی کا اثر نہ پہونچے۔

۲۔ پنڈلی پر لاسٹک کے بغیر رکے رہیں۔

۳۔ پانچ چھ کلو میٹر تک چلنے کے باوجود نہ پھٹیں (درمختار و شامی نعمانیہ ا/۱۷۴)۔

مروجہ سوتی اور نائلون کے موزوں میں چونکہ یہ خصوصیات نہیں ہوتی ہیں، اس لیے ان پر مسح کی اجازت نہیں ہے۔

فوم کے گدوں پر نماز پڑھنے کا حکم

آج کل فوم کے گدے کافی رائج ہیں، جو موٹے پتلے ہر طرح کے ہوتے ہیں، فوم کا (آدھ انچ کی حد تک) پتلا گدا اس پر چونکہ پیشانی کا استقرار ہو جاتا ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اس لیے اس پر سجدہ و نماز ہو جائیگی، اور اس سے زائد موٹے گدے پر پیشانی کا استقرار نہ ہونے کی وجہ سے نماز نہیں ہوگی، یہ مسئلہ ایسے

گدوں پر سجدہ کرنے کا ہے، قدموں اور بیٹھنے کی جگہ گدا کتنا ہی موٹا ہو، اس میں کچھ حرج نہیں ہے: **ومن هنا يعلم الجواز على الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جاز وإلا فلا** (شامی نعمانیہ ۱/۳۳۷)

مساجد میں چوری کی بجلی سے پانی گرم کرنا

عموماً مساجد میں سردی کے موسم میں گرم پانی کا نظم کیا جاتا ہے، جو بلا شبہ جائز ہے، مگر بجلی سے پانی گرم کرنے کی صورت میں جائز طریقہ سے بجلی کا استعمال لازم ہے، بعض مساجد میں اس کے لیے چوری کی بجلی استعمال کی جاتی ہے، جو نا جائز ہے، اور ایسے گرم پانی سے اگر چہ فقہی رو سے وضوء ونماز ہوجاتی ہے، مگر چوری کا گناہ بھی ہوگا، اور مسجد میں چوری کا گناہ اور جگہوں سے زیادہ ہے، **لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي** (البحر الرائق ۵/۴۴)۔

مسجد میں اپنی ذات کے لیے سوال کرنا اور ایسے شخص کو دینا

مسجد عبادت کی جگہ ہے، اس لیے مسجد میں اپنی ذات کے لیے سوال نہ کیا جائے، ضرورت ہو تو مسجد سے باہر سوال کرنا چاہیے، البتہ اگر کوئی ضرورت مند سائل صفوں کے کنارے کھڑے ہو کر اس طرح سوال کرے کہ نمازیوں کو خلل نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے، اور ایسے سائل کو دینے کی بھی اجازت ہے- **والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدي المصلي ولا يتخطى الرقاب ولا يسأل إلحافا بل لأمر لا بد منه فلا بأس بالسؤال والإعطاء** (شامی سعیدیہ ۲/۱۶۴)

رشتہ سینٹر قائم کرنے اور رشتہ کی کوشش پر اجرت کا حکم

بعض لوگ رشتہ سینٹر قائم کرتے ہیں، اور جن کو رشتہ مطلوب ہوتا ہے، ان کے لیے کوشش کرتے ہیں، فریقین کو جیسا رشتہ مطلوب ہوتا ہے، اس کے لیے غور و محنت کرتے ہیں، مطلوبہ رشتہ مہیا ہونے پر فریقین کی ملاقات کراتے ہیں، اور اپنے اس عمل پر بذریعہ فارم وغیرہ کچھ فیس بھی وصول کرتے ہیں۔

اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ چوں کہ رشتہ کے لیے یہ سعی و کوشش ایک اچھا خاصا عمل ہے، جس میں محنت اور وقت دونوں صرف ہوتے ہیں، اس لیے اس کی طے کرکے اجرت وفیس وصول کرنا جائز ہے: **وإن قال على سبيل الخصوص بأن قال لرجل بعينه: إن دللتني على كذا فلك كذا إن مشى له فدله فله أجر المثل للمشي لأجله؛ لأن ذلك عمل يستحق بعقد الإجارة إلا أنه غير مقدر بقدر فيجب أجر المثل الخ** (شامی نعمانیہ ۵/۵۸)۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.
URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR



Rs. 15/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA, PH. 0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com

Al Fazl Commputer Sre. 9359289999